مولوی سید ہاشمی صاحب، فرید آبادی کی ان تین نظمون کا یہ مجموعہ ہے، جو انھون نے اورنگ آباد کے مختلف جلسون مین پڑھی تھین، اگرچہ نظمین تین مختلف عنوانون "نظرِ قاصد" "سراغ جہم" اور "عہد تسخیر" مین ہین لیکن اشاعت کے وقت تینون مین ربط و تسلسل پیدا کرنے کی کوشش کیگئی ہے،

تجلیاتِ فرخ، از جناب سید واجد علی صاحب، فرخ بنارسی، حجم ۱۰۱ صفحے، جیبی تقطیع، کاغذ اور لکھائی چھپائی اوسط درجہ، قیمت عہ، پتہ:- جناب علی ہادی صاحب محلہ انصار، اناؤ،

تجلیاتِ فرخ، جناب سید واجد علیصاحب فرخ بنارسی کے کلام کا مجموعہ ہے، جو مختلف اصنافِ شاعری نظم، غزل، قصیدہ، اور رباعیات پر مشتمل ہے، مجموعہ کا آغاز مولوی رضی احمد صاحب رضی بدایونی کے تبصرہ اور مولوی ضیاء احمد صاحب ایم اے پروفیسر علیگڈہ یونیورسٹی کے مقدمہ سے ہوتا ہے، مقدمہ اور تبصرہ مین جناب فرخ کی شاعری پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے،

فرہنگ الانوار المنتخبہ من ریاض القیروان والقرطبہ از مولوی سید اشرف صاحب ندوی کچھوچھوی، حجم ۹۳ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی نہایت ناقص، کاغذ اوسط درجہ، قیمت درج نہین، پتہ:- منیجر انوار المطابع لکھنؤ،

الانوار المنتخبہ من ریاض القیروان والقرطبہ کے نام سے مولوی ضیاء الحسن صاحب ندوی ایم اے انسپکٹر امتحانات مشرقی الہ آباد یونیورسٹی نے عربی علم ادب کا انتخاب شائع کیا تھا، مولوی سید اشرف صاحب ندوی نے اسی کا فرہنگ تیار کر کے شائع کیا ہے، جو رسالہ کی کلید کے طور پر ہے، فرہنگ کتاب کے صفحون کی ترتیب پر ہے،

اردو کی تیسری کتاب، (زنانہ مدرسون کیلئے) مرتبہ جناب محمد نصیر ہمایون بی اے حجم ۲۰۰ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت درج نہین، پتہ:- پنجاب پرنٹنگ ورکس بک ڈپو انارکلی لاہور،

یہ رسالہ زنانہ مدارس کی چھوٹی لڑکیون کیلئے مرتب کیا گیا ہے، مضامین کا انتخاب لڑکیون کے مناسب اور بہتر ہے، زبان بھی اچھی ہے، رسالہ لڑکیون کے پڑھانے کے لائق اور مدرسون مین رواج دینے کے قابل ہے،

"ض"

جلد بست و نہم ۲۹	ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۲ء	عدد ۴

مضامین

شذرات

لوگ یہ سمجھتے ہین کہ جو آج ممکن ہی، وہ ہمیشہ ممکن تھا، اور جو آج محال ہی، وہ ہمیشہ محال تھا، اور رہیگا، لیکن یہ تمامتر غلط ہی، کل یہ محال سمجھا جاتا تھا کہ سینکڑون میل کی دوری سے کسی کی آواز سن لیجائے، یا اُس کی صورت دیکھ لیجائے، مگر یہ محال آج نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ ہے، پھر ہم آج جس کو محال کہہ رہے ہین، کیا اعتبار کہ وہ کل بھی محال باقی رہیگا، پھر اپنے کسی دعویٰ کی صداقت اور کسی دوسرے کے قول کے بطلان پر ممکن و محال کہکر استدلال کرنا اور اس امکان و استحالہ پر اس وثوق سے گفتگو کرنا آیا ہمارے علم کا ثبوت ہی، یا جہالت کا؟

ہم ہر دعویٰ کے انکار و تردید مین نہایت آسانی، مگر پورے یقین کیساتھ یہ کہہ گذرتے ہین، کہ یہ خلافِ عقل ہے، لیکن یہ کہتے وقت ذہن مین خلافِ عقل سے مقصود اپنی عقل کے خلاف ہوتا ہے، اور دعوے کا ابطال اس پر موقوف ہی کہ وہ ہر فرد انسان کی عقل کے خلاف ہو، اور ایسا ثابت کرنا آسان نہین ہی، پھر کیا یہ انسان کی حماقت نہین ہی، کہ جو بات اُس کے پیمانۂ عقل مین نہ سما سکے، اسکی نسبت یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ وہ تمام دنیا کے معیارِ عقل سے باہر ہے

جب تمھارا مخاطب یہ کہتا ہے کہ فلان بات خلافِ عقل ہی، تو تم نہایت آسانی سے یہ اُس سے پوچھ سکتے ہو کہ یہ کسکی عقل کے خلاف ہے، اگر کسی ایک فرد انسان یا ایک محدود جماعتِ انسان کی عقل کے خلاف ہو تو ہو، اس سے یہ کہان لازم آتا ہے کہ وہ حقیقت مین خلافِ عقل ہے، یا کل افرادِ انسان کی عقلون کے خلاف ہی اور جب تک یہ ثابت نہ ہو، دعویٰ کا انکار و ابطال محال ہے،

شاید کہ ایسے بر خود غلط "عقلاے زمانہ" یہ سمجھتے ہون کہ جو بات ایک کی عقل مین نہ سما سکے، وہ کسی کی عقل مین بھی نہین سما سکتی، گویا کہ اُن کے نزدیک عقل ایک ایسا معیار ہے، جو ہر انسان کے قبضہ مین برابر ہے، حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ہر انسان یکسان ارسطو، بو علی سینا اور ڈاروین ہوتا، مگر ایسا کہان ہی، ایک احمق انسان جسکو محال جانتا ہے، عاقل انسان اس کو ممکن سمجھتا ہے، اور اُس سے عاقل تر انسان اس ممکن کو واقعہ بنا دینے پر قدرت رکھتا ہی، غرض عقل انسانی کا کوئی ایک معیار نہین، بلکہ اس کے سیکڑون ہزارون، بلکہ لاکھون مراتب اور مدارج ہین، اور ایک دوسرے عاقل اور اس سے بھی عاقل تر لوگ موجود ہین، اسی نکتہ کو قرآن پاک نے ان مختصر لفظون مین ادا کیا ہے، کہ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ، (ہر جانتے والے کے اوپر ایک جاننے والا ہے) یعنی ہر عالم کے اوپر ایک عالم، اور ایک عاقل کے اوپر دوسرا عاقل ہی، اس لیے کوئی ایسی چیز جو متفقاً تمام عقول انسانی کے نزدیک قطعاً محال ہو، چند منطقی باتون سے زیادہ نہین، باقی اب جن جن کو جلدی سے محال عقلی کہہ بیٹھتے ہین، یا تو وہ سرے سے محال ہی نہین، یا زیادہ سے زیادہ یہ وہ محال ہین جنکو اصطلاح مین محالِ عادی (عادۃً محال) کہتے ہین،
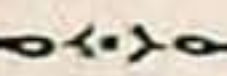
یہ بات کہ ہر انسان مین عقل کا معیار و مرتبہ متفاوت اور دوسرے سے مختلف اور کم و بیش ہی، بدیہی ہے، اور ہر شخص اسکو جانتا اور مانتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ایک شخص ایک مسئلہ نہایت آسانی سے سمجھ جاتا ہے، اور دوسرا سمجھانے سے بھی نہین سمجھتا، ایک وہ ہین جو عجیب سے عجیب آلات ایجاد و اختراع کرتے ہین، دوسرے وہ ہین جو اُن آلات کو دیکھکر بھی اُن کو کام مین نہین لا سکتے، پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ جو بات ایک کی عقل مین نہ سما سکتی ہو، وہ اسکو ایسا محال تصور کرے، کہ اس کی بنا پر بڑے سے بڑا اور دانا سے دانا انسان کی تکذیب کی جاہلانہ جرأت کرتا ہے، اور اس کا نام علم رکھتا ہی،

اس سے بھی آگے بڑھیے، نہ یہ کہ عقول انسانی، تمام افراد انسانی مین متفاوت ہین، بلکہ ہر شخص کی عقل اسکی

مختلف عمرون مین بھی یکسان نہین رہتی، اور اسکی ہر عمر مین ممکن و محال، اور مخالف عقل و موافق عقل کا معیار بدلتا
ہے، ایک کمسن بچہ کتنے واقعی ممکنات کو محالات، اور کتنے واقعی محالات کو ممکنات مین سے جانتا ہے، اور ان کے لیے
روتا ہے اور ضد کرتا ہے، مگر جیسے جیسے اسکی عمر آگے بڑھتی ہے، تجربے بدلتے ہین، اور معلومات بڑھتے ہین، اس کے ممکن
و محال اور عقل کے مخالف و موافق ہونے کے معیار بھی بدلتے رہتے ہین، پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی انسان کی کس
عمر کے معیارِ عقل کا فیصلہ قطعی طور سے حق سمجھا جائے،

اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ ہر انسان کی ذہنی کیفیت ہمیشہ یکسان نہین رہتی، ایک وقت جو خدا سے [illegible]
وہ دوسرے وقت دیندار خدا پرست ہو سکتا ہے، ایک شخص جو آج صرف فطرت اور نیچر کو کارفرما سمجھتا ہے، کل وہ [illegible]
پرست بنکر ہر چیز کو فاعل و موثر یقین کرنے لگتا ہے، کتنے ملحد ہین جو کل ہر چیز کا انکار کرتے تھے، اور آج وہ کسی [illegible]
سے ایسے بدلے کہ قبرون کو جھک جھک کر سجدے کرتے ہین، اور انسانون کو خدا کا مرتبہ دینے لگتے ہین، کل دولتمندی
کے غرور مین جو کچھ نظر آتا تھا آج فقر و افلاس کے آئینہ مین اُن کو پہلے کے بالکل برخلاف نظر آیا، ایک سیاسی جو گذشتہ
بنکر کل تک جو کچھ سمجھتا تھا آج لبرل بنکر وہ اس کے تمامتر خلاف سمجھتا ہے، اور کل ممکن ہے کہ وہ لیبر بنکر کچھ اور سمجھنے لگے
غرض ہر انسان کے انکار و یقین کا معیار ہر ماحول مین، ہر ذہنی کیفیت مین، ہر اختلاف عمر مین ہمیشہ بدلتا اور متغیر
ہوتا رہتا ہے، ایک شخص کو کل جو بات محال معلوم ہوتی تھی، وہ آج ممکن معلوم ہوتی ہے، کل جو قبیح نظر آتی تھی
وہ آج اسکی نگاہ مین سراسر مستحسن ہے، پھر کیا یہ ایسا متغیر اور دم بدم بدلنے والا معیار ناقابلِ زوال و ثوق و یقین کی
بنیاد بن سکتا ہے، فَاَنّٰی تُؤفَکُوْن،

مقالات

رُباعی

"حسب ذیل مضمون رُباعی کی تاریخ و آغاز پر رباعیاتِ خیام کے تعلق سے سپردِ قلم کیا گیا تھا اور جسکو گذشتہ
شعبان ۱۳۵۰ھ کی مسلم اکاڈیمی منعقدہ فرنگی محل لکھنؤ مین پڑھکر سنایا گیا تھا"

"سلیمان"

فارسی کے اصنافِ سخن مین رباعی گو چار مصرعون کی مختصر نظم ہوتی ہے، مگر اس کوزہ مین سمندر بند ہوتا ہے،
بڑا سے بڑا فلسفیانہ خیال، دقیق سے دقیق اخلاقی نکتہ، اور پیچیدہ سے پیچیدہ صوفیانہ مسئلہ جو صفحون اور دفترون مین نہین
سماتا، ان دو سطرون مین پورا کا پورا ادا ہو جاتا ہے،

وجہِ تسمیہ رُباعی عربی زبان کا لفظ ہے، جسکے معنی "چار والے" کے ہین، عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ چونکہ یہ چار
مصرعون سے مرکب ہوتا ہے، اسلئے اسکو رباعی کہتے ہین، لیکن محمد بن قیس رازی نے جو سعدی کے معاصر ہین، معجم
فی معاییر اشعار العجم (صفحہ ۹) مین یہ لکھا ہے کہ اہلِ عرب اسکو رباعی اسلئے کہتے ہین کہ بحر ہزج جس مین رباعی کہی
جاتی ہے، چار اجزا سے مرکب ہوتا ہے، اور اسلئے اسکا ایک مصرعہ عربی مین دو دو جزء کا ایک شعر ہو جاتا ہے، اور
اس طرح چار مصرعون مین چار شعر ہو جاتے ہین، لیکن دولت شاہ کا بیان اس وجہ تسمیہ کی نسبت وہی ہے،
جو عام خیال ہے، یعنی یہ کہ "تا فضلا لفظ دو بیتی رانکو ندیدند، گفتند کہ این چہار مصراع است رباعی می
باید گفتن"

رباعی کے دوسرے نام رباعی کا ابتدائی نام دوبیتی ہی، کہ یہ دو ہم قافیہ بیتوں سے مرکب ہوتی ہے، اور عجیب بات ہے کہ عربی میں اسکو دوبیتی ہی آجتک کہتے ہیں، اور رباعی جو عربی نام تھا، اوس نے زبان عجم میں فروغ پایا، صاحب معجم نے ذرا ذرا سے فرق سے اسکے حسب ذیل نام بتائے ہیں،

قول:- "ہرچہ ازان جنس برابیات تازی (عربی) سازند، آنرا قول خوانند،"

غزل:- "وہرچہ بر مقطعات پارسی باشد آن را غزل خوانند،"

ترانہ:- "اہل دانش ملحونات این وزن را ترانہ نام کردند،"

دوبیتی:- "وشعر مجرد آنرا دوبیتی خوانند، از برائے آنکہ بنا ء آن بر دو بیت بیش نیست،"

رباعی:- "مستر یہ آنرا رباعی خوانند، از بہر آنکہ بحر ہزج در اشعار عرب مربع الاجزاء آمدہ است پس ہر بیت ازین وزن دو بیت عربی باشد،"

محمد بن قیس رازی کی تصریح کے مطابق اس کا پہلا نام ترانہ[1] رکھا گیا، اور دوسرے نام بعد کو رکھے گئے ہیں، لیکن دولت شاہ کا بیان ہے کہ پہلے اوس کا نام دوبیتی رکھا گیا، پھر رباعی،[2] دوبیت یا دوبیتی کا لفظ تو عربی میں ہمیشہ کے لئے رہ گیا،[3] مگر فارسی میں چھٹی صدی تک اس لفظ کا استعمال رباعی کی جگہ نمایان نظر آتا ہے، محمد بن علی راوندی نے راحۃ الصدور (۵۹۹ھ) میں ہر جگہ دوبیتی لکھا ہے، انوری نے سلطان سنجر کی مدح میں جو رباعیان لکھی ہیں، اون کو بھی دوبیتی کہا ہے،[4] لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ قدما عربی میں رباعی کو صرف دوبیتی کہتے تھے، رباعی نہیں کہتے تھے، بلکہ رباعی بھی کہتے تھے، چنانچہ نشوار المحاضرہ میں جو چوتھی صدی کے وسط کی مستند عربی تصنیف ہے، "رباعیات" کا لفظ موجود ہے، جیسا کہ آگے آئے گا، باخرزی المتوفی ۴۶۷ھ نے بھی خریدۃ القصر میں رباعیات کا لفظ استعمال کیا ہے،[5]

[1] معجم فی معاییر اشعار العجم ص ۹۰ گب [2] تذکرہ دولت شاہ ص ۳۰ گب [3] ابن خلکان [4] راحۃ الصدور راوندی ص ۲۰۲ (گب) [5] ص ۱۰۲،

رباعی کی ایجاد رباعی کی ایجاد کی تاریخ نہایت مبہم ہے، مگر یہ مسلم ہے کہ بحر ہزج کا یہ وزن پہلے مستعمل نہ تھا، اور بعد کو رواج پایا ہی، اسکی ایجاد کی صورت اہل ادب یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ چند لڑکے گولی کھیل رہے تھے، ایک گولی ڈھلکتی ہوئی سوراخ کے پاس آئی، اس پر خوشی کے عالم میں ایک لڑکے کے منہ سے بیساختہ نکلا کہ:-

غلتان غلتان ہمی رود تا بن گو،[1]

شعرا نے اس وزن کو بحر ہزج کی ایک قسم پاکر اس کو قبول کیا، اور تین مصرع اور لگا کر اسکو چو مصرع کر دیا، یہ تو رباعی کی ایجاد کے متعلق قدر مشترک تھا، مگر ایجاد رباعی کے متعلق ہمارے سامنے دو مختلف روایتین ہیں، ایک تو دولت شاہ سمرقندی (تالیف ۸۹۲ھ) کی جس کا بیان ہے کہ یہ بحر صفاریہ خاندان کے بانی یعقوب صفار المتوفی ۲۶۵ھ کا لڑکا تھا، اور خود یعقوب صفار کھڑا اپنے بچے کے کھیل کا تماشا دیکھ رہا تھا، کہ دفعۃً بچہ کی زبان سے یہ برجستہ مصرع نکلا یعقوب کو یہ وزن پسند آیا، لیکن چونکہ اوس وقت تک یہ وزن مستعمل نہ تھا، اسلئے ابودلف عجلی اور ابن الکعب جو دربار کے شعرا تھے اون کو بلوا کر پوچھا کہ یہ کون بحر ہے انھون نے تحقیق کرکے بتایا کہ یہ بحر ہزج کی ایک قسم ہے، اور اس پر اسی وزن کے تین اور مصرع لگا کر دو شعر پورے کر دئے اور دوبیتی اوس کا نام رکھا،[2]

لیکن اس سے متقدم تصنیف معجم فی معاییر اشعار العجم کے مصنف نے بڑی عبارت آرائی کے ساتھ اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ چند حسین و خوشرو بچے سڑک پر گولی کھیل رہے تھے، تماشائیون کا ہجوم تھا، انھین مین ایک طرف ایک شاعر بھی کھڑا تھا، جو غالباً رودکی تھا، کہ دفعۃً ایک بچہ کی زبان سے یہ موزون مصرع نکلا، شاعر کو یہ وزن بہت پسند آیا اور اُس نے تین مصرع اور لگا کر دوبیتی کر دیا،

رباعی کی تاریخ صورت واقعہ کچھ بھی ہو، اور وہ شاعر کوئی بھی ہو، مگر دونون روایتون کا تاریخی نتیجہ یکسان ہے یعنی یہ کہ یہ تیسری صدی ہجری کے آخر کا واقعہ ہی، کیونکہ یعقوب نے ۲۶۵ھ میں اور رودکی نے بروایت عام ۳۰۴ھ میں وفات

[1] یہ متن معجم کی روایت کے مطابق ہے، دولت شاہ میں "لب گو" ہے، متاخرین نے اس کو "سر گو" کر دیا ہے [2] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی ص ۳۰، گب

پائی ہی[1] اس بناپر تیسری صدی ہجری کے اواخر مین رباعی کی صنف پیدا ہوئی،

رباعی گو صوفیہ بلکہ شعرا کے ضمن مین تذکرون مین سب سے پہلا نام حضرت بایزید بسطامی المتوفی [illegible] کا ملتا ہے، چنانچہ مجمع الفصحا مین یہ تین رُباعیان اون کے نام سے ہین، (جلد اول ص ۶۵ ایران)

اے عشق تو کشتہ عارف و عامی را سودا ے تو گم کردہ نکو نامی را،
ذوق لب میگون تو آورد برون از صومعہ بایزید بسطامی را،

مارا ھمہ رہ بگوئی بدنامی باد وز سوختگان نصیب ما خامی باد
ناکامی ما چو ہست کام دل دوست کام دل ما ھمیشہ ناکامی باد

گر قرب خدا می طلبی دلجو باش وندر پس و پیش خلق نیکو گو باش
خواہی کہ چو صبح صادق الوعد شوی خورشید صفت باہمہ کس یکرو باش

لیکن زبان کی صفائی، اور رباعی کا وزن جو تیسری صدی کے خاتمہ تک غیر معروف تھا، اس نسبت کی صحت مین شک پیدا کرتا ہے، اور اس شک کی تائید والہ داغستانی[2] کے بیان سے ہوتی ہے، معلوم ہوتا ہی کہ صاحب مجمع الفصحا، نے یہ رباعیات تقی اوحدی سے نقل کی ہین، اور اسکی نسبت والہ داغستانی نے ریاض الشعرا مین حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہین،

"راقم حروف را اعتماد بقول و ضبط تقی اوحدی نیست چہ میر مذکور بسیار کم مایہ و کم تتبع بودہ چنانچہ بعض رباعیات شیخ ابوسعید و بابا افضل کاشی را بنام شیخ بایزید قدس سرہ نقل کردہ، و حال آنکہ ہیچ کس از متقدمین و مؤرخین و ارباب خبرت و اہل تحقیق ذکر نہ کردہ اند کہ شیخ بایزید شعر می فرمود، تقی اوحدی را نسیان بسیاری تیز بودہ، چنانچہ گاہست کہ یک شعر را بنام سہ کس

[1] سمعانی نے کتاب الانساب مین رودکی کا ذکر کیا ہی، اور اسکی تاریخ وفات ۳۲۹ھ بتائی ہی، [2] والہ داغستانی گو نادر شاہ و محمد شاہ کا معاصر تھا، مگر کاوش و تحقیق مین اوس کا پایہ بلند ہے، جیسا کہ اوسکے تذکرہ سے ظاہر ہی،

چہار کس نقل کردہ است،" (نسخہ قلمی کتبخانہ ندوۃ العلما، در ترجمہ حکیم سنائی)

رُباعی گو شعرا مین اگر دولت شاہ کا اعتبار کیا جائے تو ابودلف عجلی، اور ابن الکعب جو یعقوب بن معاذ المتوفی [illegible] کے درباری شعرا تھے، سب سے پہلے رباعی موزون کی، اور اگر قیس رازی کی معجم فی معاییر اشعار العجم کی روایت کا لحاظ کیا جائے، تو اوسکے گمان مین سب سے پہلے جس نے رُباعی کہی، وہ رودکی المتوفی ۳۲۹ھ ہی، (سمعانی[1] نے اس کی تاریخ وفات ۳۲۹ھ ثبت کی ہی،)

دیوان رودکی کے نام سے جو مجموعۂ کلام ایران مین ۱۳۱۵ھ مین چھپا ہے، اور جسکے قلمی نسخہ کی طرف اشارہ صاحب مجمع الفصحا نے کیا ہے، اُس کے آخر مین ص ۱۰۸ سے ص ۱۱۳ تک رباعیات کا عنوان ہی اسکے تحت مین دو دو شعر کے بیس[2] منظومات ہین، جن مین عشقیہ، حکیمانہ، اخلاقی، اور خمریہ مضامین ہین، مگر وزن و قافیہ کا اعتبار کرکے ان مین صرف چھ[3] منظومات ایسے ہین، جو رباعی ہین، اور بقیہ قطعے ہین، وہ چھ[4] رباعیان یہ ہین،

۱
با آن کہ دلم از غم ہجرت خون ست شادی بغم توام ز غم افزون ست
اندیشہ کنم ہر شب و گویم یا رب ہجرانش چنین است وصالش چون ست

۲
چشم ز غمت بہر عقیقے کہ بسفت بر چہر ہزار گل ز برا زم بشگفت
رازیکہ دلم زجان ہمی داشت نہفت اشکم بزبان حال با خلق بگفت

۳
ہان تشنہ جگر مجوی زین باغ ثمر بیدستا نیست این ریاض بد ودر [illegible]
بیہودہ ممان کہ باغبانت بقفاست چون خاک نشستہ گیر و چون آذر [illegible]

۴
چون گشتہ بہ بنیمت دولب کردہ فراز وز جان تہی قالب [illegible]

[1] [illegible] فی تاریخ الحکما مین ہی اصلہ فار[illegible] [2] [illegible] ون سے دا[illegible] [3] [illegible]

بہرحال تذکرون اور بیاضون مین اسکی طرف چند رباعیات منسوب ملتی ہین، مجموعۂ منتخبات دار المصنفین مین حسب ذیل رباعیان اوس کے نام سے درج ہین،

[4] تاریخ مختصر الدول ابو الفرج ملطی ص ۲۹۵ بیروت،

اے از گلِ سُرخ، رنگ بربودہ و بو — رنگ از پے رُخ ربودہ، بو از پی مو
گلرنگ شود چو روی شوی ہمہ جوی — ۵ مشکین گردد چو موفشانی ہمہ کو

چون کار دلم ززلفِ او ماندہ گرہ — بر ہر رگ جان صد آرزو ماندہ گرہ
امید زگریہ بود، افسوس افسوس — ۶ کانہم شبِ وصل در گلو ماندہ گرہ

ایک اور رباعی مجمع الفصحار کے نسخہ مین ہی،

در منزلِ غم فگندہ مفرش مائیم — و ز آب دو چشم، دل بر آتش مائیم
عالم چو ستم کند ستمکش مائیم — ۷ دستِ خوش روزگار ناخوش مائیم

حضرۃ الاستاذ نے مجمع الفصحار کے حوالے سے چھٹی رباعی شعر العجم مین نقل کی ہے، اور ذوقِ شعری کی بناپر فیصلہ فرمایا ہے کہ یہ صناعانہ کلام رودکی کا نہین ہو سکتا، (شعر العجم جلد اول، احوالِ رودکی)

اگر یہ سات رباعیان رودکی کی ہون بھی تو تعجب معلوم ہوتا ہو کہ بانیِ فن کے ہان اسقدر کم اسکی مثالین ہون اصل یہ ہو کہ رودکی کا کلام جو متقدمین کی تصریح کے مطابق ہزار ہا شعرون پر مشتمل تھا ضائع گیا اور جو دیوان قلمی یا مطبوعہ ملتا ہے، رضا قلی خان ہدایت صاحبِ مجمع الفصحا، کی تحقیق کی بناپر وہ حکیم قطران کے کلام سے مخلوط ہے، جس کا زمانہ رودکی کے سو برس بعد ہے، مصنف موصوف دیباچہ کے تیسرے صفحہ مین کہتا ہی:-

"گویند حکیم رودکی چندین ہزار بیت شعر فارسی مدوّن کردہ بود کہ اکنون ہزار یک آن انحصنا بحر رشیدی گفتہ":-

می فرمود، تقی [illegible] سیزدہ رہ صد ہزار — ہم فزدن تر آمد از روی شمر گر بشمری

لہ سمعانی نے کتاب الانساب مین رودکی کا ذکر کیا ہی، اور اسکی تاریخ وفات ۳۲۹ھ بتائی ہی، ۲ہ والہ داغستانی گو متاخر ہی محمد شاہ کا معاصر تھا، مگر کاوش و تحقیق مین اوس کا پایہ بلند ہے، جیسا کہ اوسکے تذکرہ سے ظاہر ہی،

پھر رودکی کے احوال مین کہا ہی،

"رودکی اشعار بسیار داشتہ، اما اشعار وی چیزی در میان نماندہ و ہمہ بتحلیل رفتہ، طرفہ تر آنکہ رشیدی سمرقندی در باب نظم او گوید (شعر او برگذرا) واکنون قلیلے اشعار بنام وی مذکور است، و در بعضی تواریخ و کتب تذکرہ مسطور ست چون دیوان حکیم قطران پدید آمد، بیشتر آنہا نیز دران دیوان دریافتہ شد و دیوانش معروف نبودہ، و در مدائح وی ابو نصر اندرست گمان کردہ اند کہ نصر بن احمد است و ممدوح رودکی است پس ازانجہ در تواریخ و آثار وقتی رفت پیدا آمد کہ حکیم رودکی صد و اند سال قبل از قطران بودہ و این اشعار معروف بنام وے از قطران است الا قلیلے کہ دران نیز شبہہ است۔" (ص ۲۰۳)

اصل یہ ہے کہ نصر سامانی ممدوحِ رودکی، اور ابو نصر مملان ممدوحِ قطران کے درمیان اختلاط ہوگیا، بہرحال اس بیان کو ہویدا ہے کہ اگر رودکی رباعی کا موجد ہے، تو اس کے موجودہ دیوان مین رباعیان اتنی کم کیون ہین اور بعض مین زبان کی صناعی کی جو بعد کی چیز ہے، وجہ کیا ہے، اور نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ اوسکے کلام کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا، اس لئے اس کی رباعیون کا نشان لگانا اب محال ہے، ورنہ سمعانی کے زمانہ مین (۵۶۲ھ) اوس کا دیوان بلادِ عجم مین بکثرت ملتا تھا، انساب سمعانی مین ہے:-

السائر دیوانہ فی بلاد العجم — جسکا دیوان عجم کے شہرون مین دائر و سائر ہی،

رباعی گو حکیمون مین پہلا نام اور مطلق رباعی گویون مین دوسرا نام معلم ثانی ابو نصر فارابی المتوفی سنہ ۳۳۹ھ کا ملتا ہے، ابن خلکان نے ایک عربی قطعہ مشتبہ طور سے اوسکی طرف منسوب کیا ہی، فارابی گو نسلاً ترک تھا، مگر اس زمانہ مین عجم و ترکستان کی عام زبان فارسی ہی تھی، اور اس کے علاوہ وہ متعدد زبانون سے واقف تھا، اس لئے اسکی طرف فارسی رباعیات کا انتساب غیر متوقع نہین ہی، شہرزوری کی تاریخ الحکما مین ہی، صلہ فارسی بہرحال تذکرون اور بیاضون مین اسکی طرف چند رباعیات منسوب ملتی ہین، مجموعۂ منتخبات دار المصنفین مین حسب ذیل رباعیان اوس کے نام سے درج ہین،

لہ تاریخ مختصر الدول ابو الفرج ملطی ص ۲۹۵ بیروت،

اے آن کہ شما پیرد جوان دیدارید — ازرق پوشان گنبد دوّارید
فطئے زشما در بر ما محبوس است — ادرا بہ خلاص، ہستی (؟) بگمارید

اسرار وجود خام و ناپختہ[1] بماند — وآن گوہر بس شریف ناسفتہ بماند
ہر کس ز سر قیاس حرفے گفتند — وآن نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

یہی دونون رباعیان مجمع الفصحا مین حکیم مذکور کے حال مین (جلد اول ص ۸۲) مندرج ہین، صرف اس قدر تغیر ہے کہ پہلی رباعی کے دوسرے مصرع مین گنبد دوّارید کے بجائے این کہن دیوارید ہے، اور چوتھے مصرع مین ہستی کے بجائے ہمتی ہے، اور دوسری رباعی کے تیسرے مصرع مین ہے، ہر کس بدلیل عقل چیزے گفتند،

ایک اور مجموعہ مین (خیابان عرفان مرتبہ محمد حسن بلگرامی) ایک اور رباعی فارابی کے نام سے لکھی ہی،

زان پیش کہ از جہان فرومانی فرد — آن کن کہ نبایدت پشیمانی خورد
امروز بکن چون می توانی کارے — فردا چہ کنی چو ہیچ نتوانی کرد

فارابی صوفی حکیم تھا، اور صوفیون کے لباس مین رہتا تھا،[2] مگر ان قرائن کے باوجود کوئی صحیح اور غیر مشکوک دلیل اوس کے رباعی گو شاعر ہونے پر ہمارے ہاتھ مین نہین ہے، بجز اسکے کہ شہرزوری نے تاریخ الحکما مین اوس کے حال مین لکھا ہے "ولہ اشعار حسنة حکمية" اور اسکے اچھے حکیمانہ اشعار ہین"، اور اُس کے عربی حکیمانہ اشعار دو صفحون مین نقل کئے ہین،

اس کے بعد شاعرانہ رنگ مین ابو شکور بلخی کا نام ملتا ہے، جس کا شمار سامانی عہد کے شاعرون مین ہی،

[1] گو رباعی کسی قدر لفظی و معنوی تغیر کے ساتھ خیام کے رباعیات مین بھی شامل ہے، لفظ "ناپختہ" قافیہ کے لحاظ سے غلط ہے، [illegible]

[2] وہ ایک زمانہ تک سیف الدولہ کے سایۂ دولت مین اہل تصوف کے لباس مین رہا، درۃ الاخبار مین فارابی کے صوفیانہ کلمات بھی مذکور ہین،

(۳۴۹ھ) مین اُس نے ایک کتاب لکھی تھی، عوفی نے لب الالباب (جلد دوم صفحہ ۳ گب) مین اوس کا ذکر کیا ہی اور شعر کے متعلق اوس کے متعدد قطعے نقل کئے ہین، اور ایک یہ رباعی لکھی ہی،

اے گشتہ من از غم فراوان تو پست — شد قامت من ز درد ہجران تو پست[3]
اے شستہ من از فریب دستان تو دست — خود ہیچ کسی بسیرت و شان تو ہست

اسی عہد کا ایک اور حکیم شاعر عمارہ مروزی ہے، جس نے سامانیہ کا آخری اور غزنویہ کا ابتدائی زمانہ پایا ہی، صاحب مجمع الفصحا نے اوس کا سال وفات ۳۶۶ھ لکھا ہی، وصف شراب اوس کا خاص موضوع ہی، عوفی نے اوسکی یہ رباعی نقل کی ہی،

آن می بدست آن بت سیمین[4] من نگر — گوئی کہ آفتاب بپیوست با قمر
وآن ساغری کہ سایہ بفگند[5] می برد — برگ گل سپید است بگوی بلالہ بر

رباعی کی بحر کے بعض قطعات بھی ہین جن سے معلوم ہوتا ہی کہ ہنوز رباعی فن کی زنجیرون مین کسی نہین گئی تھی، جامی نے نفحات مین لکھا ہے کہ ایک دفعہ سلطان سعید ابو الخیر کو عمارہ کا کوئی شعر سنایا گیا تو وجد کا عالم طاری ہوگیا، اور اپنے مریدون کے ساتھ وہ اسکی قبر پر گئے،[6]

اس زمانہ مین دیالمہ کی ایک شاخ آل زیار کا بادشاہ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر دیلمی تھا جو ۳۶۶ھ مین تخت نشین ہوا، کمال البلاغۃ اور سیر الملوک اوسکی تصنیف ہے، کمال البلاغہ مصر مین چھپ گئی ہے، شمس المعالی نے بعض رباعیان بھی کہی ہین، مجمع الفصحا سے یہ رباعیان منقول ہین، (جلد اول ص ۵۲)

گل شاہ نشاط آمد و مے میر طرب — زان روی بدین دو میکنم عیش طلب
خواہی کہ بدین ہر دو رسی ای ماہ سبب — گل رنگ رخت دار دو می رنگ دو لب

[3] مجمع الفصحا مین یہ مصرع اس طرح ہی، شد قامت من ز بار ہجران تو شست [4] مجمع الفصحا مین یہ لفظ "سیمینہ تن" ہے،

[5] مجمع الفصحا مین یون ہی جو صحیح ہی، وآن ساغری کہ سایہ نگند است می درو [6] مجمع الفصحا، جلد اول ص ۵۰ ایران

شش چیز دران زلف تو دارد مسکن
پیچ وگره و بند و خم و تاب و شکن
شش چیز دگر ازان نصیب دل من
عشق و غم و درد و رنج و تیمار و حزن

حکیمانہ تصوف کا آغاز دیلمیون کے زیر سایہ ہوا ہی جو چوتھی یا پانچوین صدی مین ۳۲۰ھ سے لیکر ۴۲۳ھ یعنی سلجوقیون کی [...] تک برسرعروج رہے، اس بنا پر تصوف کی حکیمانہ رباعی چوتھی صدی کے وسط مین پیدا ہو چکی تھی، نشوا[...] جو چوتھی صدی کے اواخر کی تصنیف ہے، اس کی شہادت سے ثابت ہے کہ اس عہد یعنی دیالمہ کے عہد مین صوفیا[نہ] رباعیان مجلس سماع کو گرم کرتی تھین، اب غزنوی دور آیا، اس دور کے سلاطین اور شعرا مین مختصر [...] واقعات مثلاً شکریہ، معذرت، شکایت، فخر، تہنیت عید، اور دوسرے ہنگامی واقعات کی فی البدیہ نظم مین یہ صنف سخن ترقی کرتی نظر آتی ہی، غزنویہ کا آغاز ۳۶۵ھ مین ہوا، اور اس کے عروج کا ستارہ سلجوقیہ کے آفتاب اقبال کی روشنی مین ۴۲۹ھ مین چھپکر رہ گیا، غزنوی دور کے شعرا مین سے عنصری المتوفی ۴۳۱ھ کے ہان رباعیان کثرت سے ہین، مجمع الفصحا مین اسکی بیس[1] رباعیان درج ہین، مشہور کہانی کی بنا پر ایاز کی زلف کٹنے کے حسن تعلیل مین اوسکی رباعی ہی،

کے عیب سر زلف بت از کاستن است
چه جای بغم نشستن و خاستن است
روز طرب و نشاط و می خواستن است
کار استن سرو به پیراستن است

ایک دفعہ سلطان محمود چوگان کھیلنے مین گھوڑے سے گر گیا، اس پر عنصری نے برجستہ یہ رباعی کہی؛

شاها ادبی کن فلک بدخو را
کاسیب رسانید رخ نیکو را
گرگوی خطا رفت بچوگانش زن
ور اسپ خطا کرد بمن بخش او را

سلطان نے وہ گھوڑا اوس کو بخش دیا، اس پر شاعر نے شکریہ کی دوسری رباعی برجستہ عرض کی، عنصری کی رباعیات زیادہ تر انھین ہنگامی واقعات اور حسن و عشق کے مضامین کی ہین،

[1] مجمع الفصحا جلد اول ص ۳۷۰ ایران

پانچ رباعیان ہین،

کے کلام مین بھی رباعی کی صنف پائی جاتی ہی، مشہور روایت

دل گرچه درین بادیه بسیار شتافت [...] بزم انس مین فردوسی نے جب پہلے پہل قدم رکھا تھا تو ان تینون نے اندر [...] سا ایک مصرع جملہ فردوسی کے زور سخن کی آزمایش کی تھی[2]، یہ بھی کہتے ہین کہ فردوسی نے سلطان کے [...] ایاز و غلام کے آغاز خط کی تعریف مین یہ رباعی کہی تھی،

مست است بتا چشم تو و تیر بدست
بس کس که ز تیر چشم مست تو بجست
گر پوشد عارضت زره عذر ش [...]
[...] همه کس خاصه به مست

غزنوی شعرا مین عسجدی المتوفی ۴۳۲ھ کی رباعیات خاص نوعیت رکھتی ہین، ان مین عشق حقیقی و مجازی کی معتدل ترکیب پائی جاتی ہی، مجمع الفصحا مین اس کی دس رباعیان ہین، جنمین سے پہلی حسب دستور زمانہ آغاز خط کے وصف مین ہے،

برگل رقمی ز مشک ناگاه زدند
بر تنگ شکر مورچگان راه زدند
آئینه روی دوست زنگار گرفت
از بسکه برو سوختگان آه زدند

در دور تو عقل کل کنشتی گردد
حسن ابدی شهره بزشتی گردد
خاکستر کشتگانت در دوزخ عشق
پیرایهٔ حوران بهشتی گردد

دل دوش هزار چاره سازی میکرد
با وعدهٔ دوست عشق بازی می کرد
تا بر کف پای تو تواند مالید
دل را همه شب دیده نمازی می کرد

صبح است و صبا مشک فشان میگذرد
دریاب که از کوی فلان می گذرد
برخیز چه خسپی که جهان می گذرد
بوی بستان که کاروان می گذرد

در جسم پیاله جان روانست روان
در روح مجسم آن روانست روان

[2] تاریخ گزیدہ مستوفی ص ۸۲۲، (گب)

در آب فسردہ آتشِ سیال است   در پیچ دگرہ و بند و خم و تاب و شکن

ان جسم پیالہ بین بجان آبستن   ہمچون [illegible] دغم و درد و رنج و تیمار و حزن

نی نی غلطم پیالہ از غایتِ لطف   آبیست بآتشی [illegible]

گرزان کہ مرا فلک دہد مال قرہ   بکشایم ازین کار فرو بستہ گرہ

ترکی بخزم کہ ہر کہ بیند گوید   ای خاک تو از خون خریدار [illegible] توبہ

از شرب مدام و لاف مشربِ توبہ   [illegible] عشق بتان سیم غبغب توبہ

در دل ہوسِ شراب و برلب توبہ   زین توبۂ نادرست یارب توبہ

عوفی نے لب الالباب کی پہلی جلد مین سلاطین غزنویہ، اور امراے چغانیہ (جو غزنویہ کے زیر اثر تھے،) اور امراے جرجان کی بہت سی رباعیان (باب اول در لطائف اشعار ملوک کبار) نقل کی ہین، مگر یہ زیادہ تر ہنگامی واقعات کے ذکر و بیان مین تفریحی حیثیت رکھتی ہین، البتہ ان مین سے ایک شخص خاص ذکر کے قابل ہے، اور وہ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کا پوتا عنصر المعالی کیکاؤس بن اسکندر بن شمس المعالی قابوس امیر جرجان ہے جو سلطان مودود بن مسعود غزنوی کا معاصر تھا، یہ ایک سخن سنج و سخن فہم امیر تھا، اوسکے اشعار تذکرون مین مذکور ہین، مجمع الفصحا، مین اوس کی دس اخلاقی اور عشقیہ رباعیان لکھی ہین پہلی رباعی یہ ہے:-

گر شیر شود عدو چو پیدا چہ نہفت   با شیر بہ شمشیر سخن باید گفت

کان را کہ بگو خفت باید نی جفت   با جفت بجان خویش نتواند خفت

اس عہد کا رباعی گو حکیم ابو علی سینا المتوفی ۴۲۸ھ ہی، اس نے متعدد حکیمانہ رباعیان کہین، جو تذکرون اور سفینون مین مذکور ہین، ان مین سے بعض خیام کے نام سے بھی ملتی ہین، ڈاکٹر ایتھے ETHE نے ۱۸۷۵ء مین ابن سینا کی بارہ رباعیون کو جمع کر کے چھپوایا ہے، مجمع الفصحا، مین اوس کی یہ پانچ رباعیان ہین،

۱

دل گرچہ درین بادیہ بسیار شتافت   یکموی ندانست ولی موی شگافت

اندر دل من ہزار خورشید بتافت   آخر بکمال ذرۂ راہ نیافت

۲

با این دو سہ نادان کہ چنین میدانند   از حمق کہ داناے جہان آنانند

خر باش کہ این جماعت از فرط خری   ہر کو نہ خراست کافرش می خوانند

۳

کفر چو منی گزاف و آسان نہ بود   محکم تر از ایمان من ایمان نبود

در دہر چو من یکے و آن ہم کافر   پس در ہمہ دہر یک مسلمان نبود

۴

از قعر گل سیاہ تا اوج زحل   کردم ہمہ مشکلات گیتی را حل

بیرون جستم ز قید ہر مکر و حیل   ہر بند کشادہ شد مگر بند اجل

۵

ای کاش بدانمی کہ من کیستمی   سرگشتہ بعالم از پے چیستمی

گر مقبلم آسودہ و خوش زیستمی   ورنہ بہزار دیدہ بگریستمی،

مجموعۂ منتخباتِ دار المصنفین مین ایک دو رباعیان اور بھی ہین، مگر وہ بھی خیام اور محقق طوسی کے نسوبات مین ہین، اوپر کی پانچ رباعیون مین دوسری، تیسری اور چوتھی، خیام کے مجموعہ مین بھی ملتی ہین،

غزنوی دور مین سلطان محمود کے زمانہ مین مشہور صوفی شاعر شیخ ابو الحسن خرقانی المتوفی ۴۲۵ھ کا ظہور ہوا، یہ پہلی مقدس ہستی ہے جس نے رباعیات کے پردہ مین عشق حقیقی کے مضامین ظاہر کئے، ہمارے مجموعۂ منتخبات، مجمع الفصحا، اور آتشکدہ مین اون کی متعدد رباعیان ہین، ہمارے مجموعہ مین یہ رباعیان شیخ کے نام سے ہین،

تا گبر نشی، با تو بتے یار نبو،   در گبر شی از بہر تے عار نبو

آنرا کہ میان بستہ بزنار نبو   آنرا بمیان عاشقان کار نبو[illegible]

روزم بملال بے تو بگذشت وگذشت
شب ہم بخیال بے تو بگذشت گذشت
یک چشم زدن بے تو نہ بودم ہرگز
اکنون مہ و سال بے تو بگذشت گذشت ۲

سودائے سر بے سر و سامان یک سو
اندیشۂ خاطر پریشان یک سو
بے مہری چرخ و جور نادان یک سو
اینہا ہمہ یک سو غم جانان یک سو ۳

ای سینہ بیا طرح فغان اندازیم
افسانۂ عشق درمیان اندازیم
تا از دل باخبر رسانند بیار
دل بر سر راہ کاروان اندازیم ۴

مجمع الفصحا مین دو رباعیان اور ہین:۔

آن دوست کہ دیدنش بیا راید چشم
بے دیدنش از گریہ نیا ساید چشم
ما را ز برائے دیدنش باید چشم
گر دوست نہ بیند بچہ کار آید چشم ۵

والہ داغستانی نے صرف پہلی رباعی نقل کی ہے، اور اوس کی زبان کی بنا پر یہ لکھا ہے،

"و رباعیات دیگر ایشان نیز بہمین سیاقت آمیختہ بزبان پہلوی است"

(در ترجمۂ ابو الحسن خرقانی)

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من
وین حرف معما نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوی من و تو
گر پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من ۶

ایک اور رباعی اون کی طرف منسوب ملتی ہے،

گویند مرا کہ می پرستم ہستم
گویند مرا فاسق و مستم ہستم
در ظاہر من نگاہ بسیار مکن
کاندر باطن چنانکہ ہستم ہستم ۷

چھٹی رباعی خیام کے اکثر نسخون مین موجود ہی، اور ساتوین بھی وینہ اور کاویانی کے نسخون کے ذریعہ خیام کی ملکیت مین داخل ہے، اور پہلی رباعی کی زبان بقیہ رباعیون سے الگ ہی، جو قابل لحاظ ہی،

نفحات الانس جامی کے تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابو الحسن خرقانی سے پہلے شعر لسنیہ صوفیا اس ساز کو ہی لے مین چھیڑتے تھے، کہ ان سے پہلے فارسی کا کوئی ترانہ خوان صوفی نظر نہین آتا، الا یہ کہ بایزید بسطامی کی طرف چند مشکوک رباعیان منسوب ہین،

اسی زمانہ مین شیخ کا معاصر باباطاہر ہمدانی المتوفی سنہ ۴۱۰ھ (یا بقول براون بقیاس روایت راحۃ الصدور قریب سنہ ۴۵۰ھ) ہے، یہ نصیری فرقہ کا درویش تھا، رے کی دہقانی بولی مین یہ رباعیان کہا کرتا تھا، اسکی رباعیون کا مجموعہ موجود ہے، اور چھپ بھی گیا ہی، یہ پہلا مستقل مجموعۂ رباعیات کا ہی جو اسوقت ہمارے سامنے موجود ہے،

اسکی دو رباعیان یہ ہین

دلے دارم کہ بہبودش نمی بو
نصیحت می کرم سودش نمی بو
ببادش می دہم نش بیسرہ باد
بر آذر می نہم دودش نمی بو

نسیمے کز بن آن کاکل آید
مرا خوشتر ز بوی سنبل آید
چو شو گیرم خیالت را در آغوش
سحر از بسترم بوئے گل آید

اس کے بعد سلطان ابو سعید ابو الخیر صوفی المتوفی سنہ ۴۴۰ھ آتے ہین، جن کی رباعیان عشق حقیقی کی تیز و تند شراب سے لبریز ہین، ان کی رباعیون کے بھی کئی اڈیشن مشرق و مغرب مین شائع ہو چکے ہین

اس سلسلہ مین ایک اور قابل ذکر ہستی بابا افضل الدین افضل کاشانی (یا کاشی) کی ہی، یہ ایک فاضل حکیم صوفی تھے، آذر، آزاد بلگرامی اور ہدایت طہرانی کی تصریح کے مطابق اون کی متعدد تالیفات یادگار ہین، کہتے ہین کہ خواجہ نصیر الدین نے ان کی مدح مین وہ شعر کہا ہی، جسکی بنا "افضل افضل" کی تلمیح پر ہی، بابا کی اس شہرت کے باوجود کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ان کا زمانہ صحیح طور سے متعین نہین، آزاد بلگرامی نے ید بیضا مین لکھا ہی کہ یہ سلطان محمود غزنوی کے معاصر تھے، اور سلطان ان کو ایران سے اپنے ساتھ لایا تھا اور وہ مدت تک غزنین مین مقیم رہ کر پھر اپنے وطن مالوف کو واپس گئے، آذر نے آتشکدہ مین لکھا ہی، کہ یہ خواجہ

نصیر طوسی اور ہلاکو کے معاصر تھے، اور خواجہ نے تاتاریون کے برپا کرنے مین اللہ تعالیٰ کی کیا مصلحت ہے، اس سوال کو ایک رباعی مین نظم کرکے بابا کے پاس بھیجا تھا، اور بابا نے اوس کا جواب دیا تھا، مگر خواجہ کی جس رباعی کو دیا گیا ہی، وہ خیام کے ملوکات مین ہے، ہدایت نے مجمع الفصحا، مین نہ صرف یہی لکھا ہی، کہ یہ خواجہ نصیر کے معاصر تھے، بلکہ یہ بھی افواہ نقل کی ہے کہ وہ خواجہ نصیر کے خالو تھے، اور والہ داغستانی نے نقل کیا ہی، کہ خواجہ نصیر بابا کے ہمشیرزادہ تھے،

بہر حال ان دو مختلف تصریحون کے مطابق ان دونون زمانون مین دو سو برس سے زیادہ کا فصل ہوجاتا ہے، اگر وہ بقول آزاد سلطان محمود کے معاصر تھے، تو چوتھی صدی کے اواخر اور پانچوین صدی کے اوائل مین تھے، اور اگر بقول آذر و ہدایت خواجہ نصیر طوسی کے معاصر تھے، تو ساتوین صدی ہجری کے اواسط مین اون کو ماننا پڑے گا،

آزاد کی تائید امین رازی کی ہفت اقلیم سے ہوتی ہے، امین رازی نے عوفی[1] کے حوالے نہ صرف سلطان محمود کی معاصرت لکھی ہے، بلکہ یہ بھی لکھا ہی کہ ایاز بابا کا شاگرد تھا، اور اسی لئے سلطان محمود نے بابا کو نظر بند کر دیا تھا، بابا نے اس کی شان مین مدحیہ قصیدہ لکھکر ایاز کی وساطت سے سلطان کی مدت مین گذرانا اور قید سے رہائی پائی، معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ نصیر نے بابا کی نسبت جو کلمات کہے، اُن کی بنا پر بابا کو خواجہ کا معاصر بنا یا گیا ہی،

بابا کی رباعیات کا انتخاب سب سے زیادہ والہ داغستانی نے کیا ہی، چنانچہ پانچ صفحون مین اُن کی رباعیان نقل کی ہین،

ان کے کلام مین بھی خیام کے رباعیات کا التباس موجود ہی،

سنہ ۴۲۹ھ مین نیشاپور کے مطلع سے سلجوقی دور کا آفتاب طلوع ہوتا ہی، سلجوقیون کا زمانہ اس صنف

[1] عوفی کی لب الالباب مین جو شعرا کا تذکرہ ہی مجھے یہ بیان نہین ملا، شاید اوسکی کسی اور تصنیف مین ذکر ہو،

سخن کے اوج شباب کا زمانہ ہے، اس عہد مین رباعی گوئی سلاطین، وزرار، امرار، علما، حکما، اور عام شعرا، کا دلچسپ مشغلہ ہوجاتا ہے، اسی مین سوال و جواب ہوتے ہین، حسن و عشق کی روداد بیان کی جاتی ہے، مناظر قدرت کی تصویرین کھینچی جاتی ہین، اور بادہ و ساغر کی نئی نئی تشبیہون کے مرقعے تیار کئے جاتے ہین، اس عہد مین ہر قسم کی عشقیہ، خمریہ، حکیمانہ اور صوفیانہ رباعیات کے دفتر کے دفتر تیار ہوتے ہین، اس زمانہ کے مشہور رباعی گویون مین سلجوقی دربار کے کاتب و ادیب و شاعر و ندیم علی بن حسن باخرزی کا نام ہے، جو یتیمۃ الدھر اور جریدۃ القصر کے ذیل دمیۃ القصر کا مصنف ہے، جو اس عہد کے عربی شعرار کا تذکرہ ہے، سنہ ۴۶۷ھ مین اپنے ایک محبوب غلام یا حریف دوست کے ہاتھ سے[1] مارا گیا، یہ عربی و فارسی دونون زبانون کا ادیب و شاعر تھا، عربی دیوان کے ساتھ فارسی دیوان بھی یادگار چھوڑا، عوفی نے لب الالباب مین اس کے تذکرہ مین (جلد اول ص ۷۰) لکھا ہی کہ "اوس نے اپنے فارسی رُباعیات کا ایک مجموعہ بھی ترتیب دیا تھا جس کا نام طرب نامہ رکھا تھا، اور جو حروف معجم کی ترتیب پر مرتب ہے، اوس کا ایک نسخہ کتبخانہ سرندیبی بخارا مین دیکھا تھا"،

باخرزی ایک بادہ پرست، سرخوش، امیرون اور بادشاہون کی مجلس انس کا ندیم و مصاحب تھا، اور خود اپنی کتاب مین اوس نے اپنے جرم کا ہلکا سا اعتراف کیا ہے، بہر حال اسی کا اثر تھا کہ اوسکی رباعیان بھی تمامتر مست و سرخوش ہین، اور صرف عیش و طرب کی مخلون کے موزون ترانے ہین، عوفی نے اوسکی وہ

[1] عوفی مین اس کا سال وفات سنہ ۴۶۶ھ لکھا ہی، مگر ابن خلکان مین ۴۶۷ھ ہے، عوفی نے اوس کی کنیت ابو القاسم بتائی ہے، اور ابن خلکان مین ابو الحسن ہے، میرے خیال مین عوفی کا یہ بیان صحیح ہی کہ خود باخرزی نے اپنی کتاب کے آخر مین اپنے معاصرین کی جو تقریظین شامل کی ہین، اُن مین سے ایک مین اوسکو ابو القاسم کہکر خطاب کیا گیا ہے، (دمیۃ القصر ص ۲۱۲، ۳ حلب) سیف الدین باخرزی دوسرے ہین، جو صوفی شاعر تھے، اور نجم الدین کبری کے مرید تھے، سنہ ۶۵۸ھ مین وفات پائی،

چند رباعیان نقل کی ہین، جو طربنامہ کے مطالعہ کے بعد اوسکو زبانی یاد رہ گئی تھین،

بیر امنِ روز قیر گون شب دارد — زیر دو شکر سی و دو کوکب دارد
بر سرخ گل از غالیہ عقرب دارد — واز نوشِ دو تریاک مجرب دارد (۱)

بر گردن خویش بستہ عقدِ گہر — واز گوشش بیاویختہ حلقۂ زر
گوئی غمِ عشق جلوہ کرد ای دلبر — زانخنک و رخ من بگردن و گوش تو (۲)

زان می خواہم کہ خرمی را سبب است — نامش می و کیمیای شادمی لقب است
سرخ است چو عناب و زآب عنب است — آبی کہ برخ بر آتش آرد عجب است (۳)

خصم تو اگر باز ندارد ز تو جنگ — صد گونہ برائے تو برآمیزم رنگ
بنشینم اگر کار بناست و بہ ننگ — بر آتش چو کباب و بر تیغ چو زنگ (۴)

ای غالیہ شوریدہ بکا شورہ[2] سیم — وز غالیۂ تو سیم را رنگ و سیم
بر دو غم مرا نہادی اے در یتیم — دہ تاج سیہ بر سر دہ ماہی شیم (۵)

تیسری رباعی خیام کے بعض مجموعون مین بھی داخل ہے، باخرزی کا ایک دوست اور عزیز ہمدم و ہم پیالہ محمد بن ابی نصر ہے، باخرزی نے اسکی نسبت اپنے تذکرہ مین لکھا ہی "ولہ رباعیات بالفارسیة واختراعات فیہا دقیقة" فارسی کی رباعیان نقل نہین کی ہین، مگر عربی اشعار نقل کئے ہین، جو تمامتر سوز و ساز اور رنگ و مستی ہین[3]،

عہد سلجوقی کے حکما، اور صوفیہ مین دو نام خاص قابلِ ذکر ہین، ایک امام محمد غزالی المتوفی ۵۰۵ھ اور دوسرے اون کے بھائی امام احمد غزالی المتوفی ۵۱۷ھ، امام محمد غزالی کا ایک قطعہ اور تین رباعیان

[1] لب الالباب عوفی جلد ۱ [2] مجمع الفصحا مین شوریدہ کی جگہ سائیدہ اور شورہ کی جگہ سودہ ہی ص ۳۴۲
[3] دمیۃ القصر ص ۷۵ حلب

مجمع الفصحا مین ہین، رباعیان حسب ذیل ہین،

کس را پس پردہ قضا راہ نشد — وز سرّ قدر ہیچ کس آگاہ نشد
ہر کس ز سرِ قیاس چیزے گفتند — معلوم نگشت و قصہ کوتاہ نشد (۱)

ما جامۂ نمازی بسر خم کردیم — وز آب خرابات تیمم کردیم
شاید کہ درین میکدہا دریابیم — آن یار کہ در صومعہا گم کردیم (۲)

خاک درِ کس مشو کہ گردت خوانم — گر خود ہمہ آتشی کہ سردت خوانم
تا تشنہ تری بخلق محتاج تری — سیر از ہمہ شو تا سرہ مردت خوانم (۳)

پہلی اور دوسری رباعیان خیام کے بعض نسخون مین بھی ہین (دیکھو مطبوعات لیبی)

امام احمد غزالی صوفی صافی تھے، مجمع الفصحا مین ان کی تین صوفیانہ رباعیان ہین،

یہ تمام اشخاص خیام کے معاصرین تھے، اس قرن کے دوسرے رباعی گو صوفیہ مین سب سے مشہور و معروف ہستی شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبد اللہ انصاری ہروی المتوفی ۴۸۱ھ[1] کی ہے، یہ مذہباً حنبلی اور مشرباً صوفی تھے، عربی اور فارسی دونون زبانون مین شعر کہتے تھے، جو زیادہ تر عجز و تقصیر، طلب مغفرت، نصیحت و موعظت اور مناجاتون پر مشتمل ہین، ابن رجب حنبلی نے طبقات الحنابلہ مین ان کا مفصل ذکر کیا ہی، اور ان کے بعض عربی اشعار بھی نقل کئے ہین، منازل السائرین تصوف مین انکی مشہور کتاب ہی، فارسی مین ان کی مناجاتین بہت دلکش ہین، اسی سلسلہ مین اون کی رباعیان بھی ہین جن کا نمونہ یہ ہے، دوسری رباعی مجموعۂ منتخبات دار المصنفین مین اور بقیہ تین مجمع الفصحا مین ہین،

عیب است بزرگ برکشیدن خود را — (۱) وز جملۂ خلق برگزیدن خود را،

[1] ریاض الشعرا اور مجمع الفصحا وغیرہ تذکرون مین ۳۹۶ھ کی ولادت اور ۴۸۱ھ کی وفات غلط لکھی ہی، ایک صدی کی کمی ہی، ہم نے یہ تاریخ ابن رجب حنبلی کے طبقات الحنابلہ سے نقل کی ہی، جس نے اون کے معاصرین اور تلامذہ کے انکے احوال نقل کئے ہین

از مردمک دیدہ بباید آموخت   دیدن ہمہ کس را و ندیدن خود را

عودم چو نبود، چوب بید آوردم   روی سیہ و موی سپید آوردم
۲
تو خود گفتی کہ ناامیدی کفر است   فرمانِ تو بردم و امید آوردم

شرط است کہ چون مرد رہ درد شوی   خاکی تر و ناچیز تر از گرد شوی
۳
ہر گو ز مراد گم شود مرد شود   بفگن الفِ مراد تا مرد شوی

دی آمدم و نیامد از من کارے   و امروز زمن گرم نشد بازاری
۴
فردا م بروم بے خبر از اسرارے   نا آمدہ بہ بود از این بسیاری

خیام اور عبد اللہ انصاری کی بعض رباعیاں بھی باہم مختلط ہین،

اسی عہد کے ایک اور صوفی شاعر ہین، جن کا نام اس سلسلہ مین اب تک نہین لیا گیا ہے، اور وہ شیخ احمد بدیلی[1] سبزواری ہین، جو ۵۸۵ھ مین سلطان تکش خوارزم شاہ کے عہد مین موجود تھے، مصنفِ جہان کشا نے ان کا ذکر ان لفظون مین کیا ہے،:-

"چون کار اہل سبزوار باضطرار رسید و ملجا و مہربے نبود، شیخ احمد بدیلی کہ از ابدالِ زمانہ بود و در علوم دینی و حقیقی یگانہ .... و او را در حقائق اشعار است از غزل و رباعیات و رسائل"

آخری فقرہ جہان کشا کے دوسرے نسخہ مین جو مطبوعہ نسخہ کے حاشیہ پر ہے، حسبِ ذیل ہے:-

"و او را در حقائق اشعار و رباعیات و رسائل بسیار است"

اس کے بعد یہ ہے:-

"و این رباعی او راست"

---

[1] مستوفی نے تاریخ گزیدہ مین مشائخ کے سلسلہ مین ان کا ذکر کیا ہے، (ص ۷۰۰ گب) اور ان کا نام احمد بن بدیلی سبزواری لکھا ہے، اور کوئی نئی بات نہین لکھی ہے،

ای جان اگر از غبارِ تن پاک شوی   تو روحِ مقدسی بر افلاک شوی
عرش است نشیمنِ تو، شرمت بادا   کائی و مقیمِ خطۂ خاک شوی

مگر یہ رباعی بتغیر خیام کے نسخون مین بھی موجود ہے،

حکما اور صوفیہ نے رباعی کو کیون اختیار کیا،

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکما اور صوفیہ نے تمام اصنافِ سخن مین رباعی کو کیون اپنے لئے مخصوص کیا؟ اس کا جواب جہان تک مجھے معلوم ہے، اب تک نہین دیا گیا، مین نے جہان تک چھان بین کی، حسب ذیل نتائج سامنے آئے،

۱- اس وقت تک شاعری کے جو اصناف رواج پذیر تھے، وہ قصیدہ، مثنوی اور قطعہ تھے، قصیدہ مین بیس چالیس بلکہ ان سے بھی زیادہ شعر ہوتے تھے، اور وہ عموماً مدح و ہجو مین کام آتا تھا، شروع مین تشبیب ہوتی تھی، جسمین حسن و عشق کی روداد، یا مناظرِ قدرت بیان کئے جاتے تھے، مثنوی رزم و بزم کے مسلسل واقعات و حکایات کے لئے مخصوص تھی، قطعہ مین مختصر واقعات نظم ہوتے تھے، چنانچہ ابتداءً فلسفہ کے خیالات قصیدون، قطعون اور مثنویون مین بھی ادا کئے گئے، سب سے پہلے فلسفی شاعر حکیم ناصر خسرو المتوفی ۴۸۱ھ نے ہر قسم کے فلسفیانہ خیالات قصیدون ہی مین ادا کئے ہین، تاہم حکمت و تصوف کے اچھوتے خیالات ایک نئی صنفِ سخن کے طالب تھے، تاکہ حسن و عشق کی روداد اور مدح و ذم کی حکایات سے تصوف و حکمت کے حقائق ظاہری و باطنی ہر طرز سے علحدہ ہو جائین،

۲- حکما اور صوفیہ پیشہ ور شاعر نہ تھے، اون کے شب و روز کے مشاغل کچھ اور تھے، شاعری اون کا پیشہ نہ تھا، اس لئے انکے ذہنی خیالات کی تحریر و ترتیب کے لئے قصائد و مثنوی کے طویل الاشعار اصنافِ سخن کار آمد نہین ہو سکتے تھے، نہ اون کے پاس تعلیم و تصنیف و مطالعہ یا ذکر و فکر عبادت سے اتنا وقت نکل سکتا تھا کہ وہ قصیدہ یا مثنوی تصنیف کرنے بیٹھتے، کبھی سانس لینے کے لئے وہ کچھ کہہ لیتے تھے، اور اتنی تھوڑی دیر مین چار مصرعے لکھکر الگ ہو جاتے تھے، اور پھر اپنے مشاغل مین لگ جاتے تھے،

۳۔ قصیدہ اور مثنوی مین مسلسل واقعات نظم ہوتے ہین، اور غزل بحیثیت ایک مستقل صنف سخن کے اب تک پیدا نہین ہوئی تھی، جسمین معنی کے لحاظ سے ہر شعر بجائے خود مستقل ہوتا ہے، کمال اسمٰعیل المتوفی ۶۳۵ھ نے اس طرز کا آغاز کیا، اور شیخ سعدی المتوفی ۶۹۱ھ نے اس کو کمال کو پہنچایا، اس لئے فلسفہ و حکمت کے مختصر متفرق خیالات کے لئے رباعی کے سوا کوئی چیز اوس وقت موجود نہ تھی،

۴۔ فارسی مین اسلام کے بعد موسیقی کا رواج سامانی دربارون مین شروع ہوچکا تھا، مگر معلوم نہین کہ فارسی مین گایا کیا جاتا تھا، قصیدہ اور مثنوی گانے کی چیز نہ تھی، غزل پیدا نہین ہوئی تھی، البتہ چھوٹی بحرون کے مختصر قصیدے جن کو متاخرین کی اصطلاح مین غزل کہدیجئے، گائے جا سکتے تھے جس طرح کہ رودکی نے اپنی یہ نظم "بوی موی جولیان آید ہمی" جن مین سات شعر ہین، امیر نصر سامانی کے سامنے گائی تھی، مگر ایسی نظمین کم ہوتی تھین، میرا خیال ہے کہ غنا و موسیقی کے کام مین اس وقت اکثر یہی رباعی آتی تھی، صوفیہ جو سماع کے شائق تھے، اون کے لئے اسی سبب سے رباعی موزون تھی، غالبًا یہی وجہ ہے کہ شروع شروع مین رباعی کو ترانہ (راگ) کہتے تھے، محمد بن قیس رازی (موجود ۶۲۳ھ) معجم فی معاییر اشعار العجم کی حسب ذیل عبارت سے یہ بات مترشح ہوتی ہے،

وبحکم آن کہ خشد و خشی دبادی و باقی آن وزن کودکے بود نیک موزون و دلبر و جوانی سخت تازہ و تر آنرا ترانہ نام نہاد، و مایۂ فتنۂ بزرگ را سر بجہان در داد، و ہمانا طالع ابداع این وزن، برج میزان بودہ است، .... کہ خاص و عام مفتون این نوع شدہ اند و عالم و عامی مشغوف این شعر گشتہ، زاہد و فاسق را در آن نصیب و صالح و طالح را بدان رغبت، کز طبعانے کہ نظم از نثر نشناسند، و از وزن و ضرب خبر ندارند بہبانۂ ترانہ در رقص آیند، مردہ دلانے کہ میان لحن موسیقار و نہیق حمار فرق نکنند و از لذت بانگ چنگ بہزار فرسنگ دور باشند، بر دوبیتی جان بوہند، بسا دختر خانہ کہ بر ہوس ترانہ در و دیوار خانۂ عصمت خود در ہم شکست، بسا ستی (خاتون)

کہ بر عشق دو بیتی تار و پود پیراہن عفت خویش برہم گسست، و بتحقیق ہیچ وزن از اوزان مبتدع و اشعار مخترع کہ بعد از خلیل احداث کردہ اند بدل نزدیک تر، و در طبع آویزندہ تر ازین نیست و بحکم آن کہ ارباب صناعت موسیقی برین وزن الحان شریف ساختہ اند و طرق لطیف تالیف کردہ و عادت چنان رفتہ است کہ ہر چیز برازان جنس برابیات تازی باشد آنرا قول خوانند و ہر چہ بر مقطعات پارسی باشد آنرا غزل خوانند، اہل دانش لحونات این وزن را ترانہ نام کردند (ص ۸۹ و ۹۰)

۵۸۶ھ مین سلطان تکش خوارزم شاہ کے دربار مین مصنف جہان کشا کے پردادا نے سلطان کی مدح مین ایک رباعی پڑھی، کہتا ہے، "جد پدرم این رباعی بداہۃً بگفت"

لطفت شرف گوہر مکنون ببرد	جود کف تو رونق جیحون ببرد
حکم تو بیک لحظہ اگر رائے کنی	سودائے محال از سر گردون ببرد

سلطان برین ترانہ تا شبانہ شراب نوشید[۱]

یہ دربار سلطانی کی مثالین ہین، صوفیون کی خانقاہون مین رباعی کا نغمہ اس سے بھی زیادہ پہلے سنائی دیتا ہے، نشوار المحاضرہ و اخبار المذاکرہ جو قاضی ابو علی محسن تنوخی المتوفی ۳۸۴ھ کی تصنیف ہے، اسمین ایک واقعہ کے ضمن مین ہے،

حضرنی ابو احمد عبد اللہ بن عمر	ابو احمد عبد اللہ بن عمر حارثی میرے پاس آئے،
الحارثی و عندی صوفی یترنم بشیٔ	اور اوس وقت ایک صوفی میرے پاس بیٹھا تھا
من الرباعیات[۲]	جو کچھ رباعیان گا رہا تھا،

یہ دو واقعہ ظاہر ہے، کہ مصنف کے سال وفات ۳۸۴ھ سے پہلے ہوگا، اس سے اندازہ ہوگا، کہ

---

[۱] جہان کشا علاء الدین عطا ملک جوینی ص ۲ [۲] نشوار المحاضرہ قاضی تنوخی جلد اول ص ۵۴، مطبوعہ مطبع ابن ہندیہ مصر امر گوئیتہ اپنے آپ کو خواندہ

کہ خیام بلکہ سلطان ابوسعید ابوالخیر سے بھی پہلے صوفی اور رباعی مین مناسبت پیدا ہوگئی تھی، اور رباعی صوفیون
کی مجلس مین بہ سماع و ترنم کے کام مین آتی تھی، محمد بن علی راوندی جس نے اپنی تاریخ سلجوقیہ راحۃ الصدور
۵۹۹ھ مین لکھی ہے، امام غزالی المتوفی ۵۰۵ھ کی مجلس سماع کا ایک واقعہ ان لفظون مین لکھا ہے:۔

وقتے در سماع کہ فتوح روح و آسایش عاشقان مجروح بود صوفیان را صفائی درون ظاہر شدہ و عارفان
را حالت آمدہ مطربے بلحنے خوش و آوازے دلکش بر نوائے نے، نہ بر آوائے نای، این ترانہ بساختہ بود و این بیت در انداختہ

دارم سخنان تازہ و زر کہن | آخر بکف آرمت بزر یا بسخن،

امام غزالی حاضر بود از سر وجدے گفت، زر را چہ محل، سخن، سخن، سخن، کتاب مذکور مین رباعی کا دوسرا شعر مذکور نہین

خود خیام کی رباعیات خیام کے بعد ہی چھٹی صدی مین صوفیون کے حال و قال کی مجلسون مین پڑھی
جاتی تھین، اخبار الحکماء قفطی مین ہے:۔

وقد وقف متاخر والصوفیۃ علی شئی من | اور پچھلے صوفیون نے اوسکے اشعار کے کسی قدر ظاہری
ظواہر شعرہ، فنقلوہا الی طریقتہم و تحاضروا | مطالب پر اطلاع پائی تو اونکو اپنے مشرب مین ڈھال لیا
بہا فی مجالساتہم و خلواتہم، | اور اپنی مجلسون اور خلوتون مین اونکو پڑھکر ایک دوسرے کو سنایا،

۵۔ رباعی کے وزن کو موسیقی کی لے سے کوئی خاص مناسبت تھی، اوسکا ایک اور ثبوت اس واقعہ سے ملتا
ہے، کہ رباعی کا پہلا موجد شاعر، رودکی، اور پہلا رباعی گو حکیم ابونصر فارابی دونون موسیقی کے مشہور استاد تھے،
رودکی وہی ہے جس نے بوی جوی مولیان آید ہمی گا کر امیر سامانی کو بے اختیار بخارا کے سفر پر آمادہ کر دیا تھا، اور
فارابی وہی ہے جو ایک دفعہ اپنے نغمہ و ساز سے مشہور دیلمی وزیر صاحب ابن عباد کی محفل کو مست خواب بنا کر چلا گیا تھا، اور جس نے
ایک موقع پر سیف الدولہ حمدانی کے دربار کو محو حیرت بنا دیا تھا، ابھی حال مین پیرس سے فارابی کی موسیقی کبیر چھپکر شائع ہوئی ہے،

راحۃ الصدور راوندی ص ۔۔ ، اخبار العلماء باخبار الحکماء جمال الدین قفطی تذکرہ خیام ۔۔ تذکرہ دولت شاہ
سمرقندی، احوال رودکی ۔۔ درۃ الاخبار ذکر ابونصر فارابی ۔۔ ابن خلکان تذکرہ ابونصر فارابی،

اسلامی دنیا کے اخبار و رسائل

ازجناب محمد یعقوب صاحب بی اے لکھنؤ،

۱۔ ذیل کا مضمون غالباً مسلم ورلڈ امریکہ کے کسی مضمون کا ترجمہ ہے، یہ عیسائیون کا تبلیغی رسالہ ہے،
جو اپنے ہم مذہبون کو اسلام کے معاملے سے باخبر، اور مسلمان نوجوانون کو اسکی طرف سے متنفر کرنے کے لیے
انگریزی مین شائع ہوتا ہے،

۲۔ اخبارات و رسائل کے نامون کے لکھنے اور پھر اردو مین ترجمہ کرنے مین غلطیان ہوئی ہین، اکثر
نامون کی تصحیح تو کر دیگئی ہے، مگر پھر بھی بعض نام مشتبہ ہین،

۳۔ اخبارات و رسائل کے نامون پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اس فہرست مین مردہ زندہ
سب ہی صحیفون کے نام ہین، اور بعض تازہ ترین کے نام نہین بھی شامل ہین، چند نام ہم نے اپنی طرف
سے بڑھا دیے ہین، تاکہ اسکی کمی دور ہوجائے،

"معارف"

مسلمانون کی آبادی کرۂ ارض پر ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے رو سے تیس کرور ہے، اس مین سے تقریباً ⅓ آبادی
ہندوستان کے مسلمانون کی ہے، اور باقی ⅔ افریقہ، یورپ، امریکہ، آسٹریلیا، اسپینیا اور تمام ایشیا کی ہے، مسلمانون کی تعلیمی
حالت بہت خراب ہے، اور اس طرف سے مسلمانون نے اپنے کان بالکل بند کر لیے ہین، ناخواندہ مسلمان بیشتر افریقہ کے بر اعظم
مین رہتے ہین، جس کی خاص زبان عربی ہے، خواندہ مسلمانون کی تعداد مشکل سے ایک فیصدی بھی نہین، اس پر بھی ہم
اپنے آپ کو خواندہ کہنے کے لیے ہر جگہ تیار ہین، ہماری ناخواندگی سے عیسائی مشن جو ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے، وہ اظہر من الشمس ہے،

اور ہر حال ہزارون کی تعداد مین مسلمان صلیبی مذہب کے زیر سایہ ہوتے جاتے ہین، مسلمانون مین کسی شخص کا سوادِ اعظم یا جماعت کے وجود نہین، جب ہماری یہ حالت ہے تو ہمارے اخبارون کی بھی ویسی ہی اشاعت ہوگی،

تمام اسلامی دنیا سے مشکل سے ایک ہزار روزانہ اخبار اور دو ہزار میگزینون کی اشاعت ہوتی ہے، ہمارے اخبارات کی تاریخ بہت پرانی نہین ہے، اور مشکل سے (۲۰۰) برس اسکی عمر ہے، لیکن جس تیزی کیساتھ انھون نے گذشتہ دس سال مین ترقی کری ہے وہ ذیل کے مضمون سے ظاہر ہوگی،

۱- جمہوریۂ ترکیہ اور شام،

ترکی مین مطبع ۱۷۲۸ء مین پہلی مرتبہ جاری ہوئے، خلافت کے دور مین ۱۸۳۲ء تک کوئی کوشش اخبار کے نکلنے کے متعلق نہین ہوئی، ۱۸۴۳ء مین ایک فرنگی مسٹر چرچل نے بذات خود ایک ہفتہ وار اخبار پہلی مرتبہ نکالا، اور ۱۸۶۰ء مین ترکون نے بسم اللہ کی جسکا نام ترجمان احوال تھا، اس پرچہ کے اجرا نے ایک برقی لہر ترکون مین دوڑا دی، اور اس تاریخ سے اس تحریک نے زور پکڑا، ترکی کی حالت ۱۸۷۶ء تک بیحد خراب تھی کیونکہ قابل اشخاص صفِ اول مین نہین آئے تھے، اور کسی ملک کی ترقی کمزورون کے ہاتھ سے نہین ہو سکتی، ۱۹۰۸ء تک خلافت کے دور مین اخبارون کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی، ترکی ازون نے ۱۹۰۸ء مین اشاعت اپنے ہاتھون مین لی اور پروپگنڈا کرنا شروع کر دیا، مصر، بلقان، فرانس، اور سوئٹزرلینڈ مین اخبارون کی اشاعت شروع ہوگئی گو اس زمانہ مین یہ بہت تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لیے جاری رہے، لیکن اخباری آزادی بہت کم تھی

سلطان کے خلاف ۱۹۰۸ء مین اخبارون کے ذریعہ سے بہت زہر اگلا گیا، یہانتک کہ چھ روزنامہ اخبار اور دو ہفتہ وار سیاسی اخبار اس کام مین لگ گئے، سلطان عبد الحمید نے ان تحریک کوشش ان اخبارون کے بند کرنے کی کی لیکن بیسود ثابت ہوئی اور ۱۹۰۸ء مین تعداد ۱۸۶۰ء سے بہت بڑھ گئی.

۲۵ جولائی ۱۹۰۸ء کا دن اخباری دنیا مین ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اخباری آزادی مل گئی، اقدام کی کاپیان جس کی اشاعت (۶۰۰۰۰) ہوتی تھی، اور ایک اخبار ایک سنٹ کو بکتا تھا، شام کو ایک کاپی (۴۰) (۴۰)

سنٹ کو بکی بھی، معمولی اخبارون کی تعداد اس وقت سے بہت بڑھ گئی، صرف خبرون کی لحاظ ہی سے نہین بلکہ اخبارون مین ادبی، سیاسی، معاشی اور فلسفیانہ تبصرے شائع ہونے لگے، جنمین ایک خاص تعداد ان اخبارون کی تھی جو نسائیت کے حامی تھے، لیکن کلی آزادی ابھی دو تین سال تک نہین ملی تھی، گورنمنٹ نے ۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کے انقلاب کے الزامات اخبارون پر تھوپے اور اسی سلسلے مین بہت زیادہ اشاعت مین کمی ہوگئی، مدیرون کو سزا مین ملین اور شہر بدر کئے گئے، پرانے اور نئے خیال کے لوگون مین جھگڑے ہوئے لیکن پرانے مغلوب ہوئے، ترکی کی شکست جنگ بلقان مین ہونے کے بعد اخبارون کو اور زیادہ آزادی ملی کیونکہ نوجوانون مین ترکی کی ترقی کی لہر دوڑ گئی اور اس دن سے ان تحریک کوششون مین مشغول ہوگئے،

نسوانی ترقی اخباری دنیا مین حد سے زیادہ ہوئی، اور مذہبی قید سے بھی جھگڑا رہا، ۱۹۱۴ء مین قسطنطنیہ مین ذیل کے اخبار نکلتے تھے:-

قسم	تعداد	قسم	تعداد
ظریفانہ	۳	مذہبی	۶
باتصویر	۵	کاروباری	۹
بچون کیلئے	۱۱	جنگی	۵
نسوانی	۲	علمی	۸
سیاسی روزنامہ	۶		

ابھی ان اخبارون کی تعداد شامل نہین ہے، جو غیر ترکی زبانون مین نکلتے ہین، روزنامہ اخبار، سمرنا، بروسا، قونیہ اور طربزند سے نکلتے ہین،

دوسرے صوبون کے لاطینی اور عربی اخبارون کی تعداد،

نام صوبہ	اشاعت لاطینی مین	اشاعت عربی مین
عدانیہ	۴	×

نام صوبہ	اشاعت لاطینی مین	اشاعت عربی مین	نام صوبہ	اشاعت لاطینی مین	اشاعت عربی مین
ادریانوپل	۵	×	کسٹانی	۳	×
حلب	۷	۵	خرپت	۳	۱
انگورا	۴	×	موصل	۳	۲
بیروت	۱	(۱۹۲۱ء سے یہ بھی لاطینی مین نکلتے ہین)	سیواس	۳	×
دردانیال	۲	×	وان	۱	×
دیاربکر	۵	×	قسطنطنیہ	۴۳	۴
ارض روم	۳	×			

ترکی مین ۱۹۱۳ء مین اخبارون کی اشاعت ۳۸۹ تھی،

ترکی کی موجودہ دور ترقی مین اخبارون کا بھی حصہ ہے چنانچہ انکی اشاعت روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے، ترکی کے اخبار صرف خبرون ہی سے پر نہین ہوتے بلکہ ان مین ادبی، سیاسی، معاشی اور فلسفیانہ تبصرے اور تنقیدین بھی ہوتی ہین ۱۸۶۰ء مین ترکی مین ایک پرچہ بھی نہین نکلتا تھا اور باوجودیکہ ۱۸۷۶ء سے ۱۹۰۸ء تک اخبارون کی اشاعت بہت کچھ رک گئی لیکن انقلاب کے بعد ترکی کے اخبارون کی تعداد ۸۰۰ تھی جو ترکی، فرانسیسی، عربی، اور لاطینی زبانون مین نکلتے تھے، اس مین بہت کم تعداد غیر مسلم کی تھی، جمہوریہ ترکیہ کی اشاعت چار شعبون مین ہوتی ہے،

سبیل الرشاد،	(مذہبی میگزین)
محفل	(صوفیانہ اخبار)
اجتہاد	(سیاسی)
مینی مجموعہ	(ادبی)

روزنامون کی تعداد برابر بڑھتی چلی جارہی ہے، جنمین حسب ذیل بہت مشہور ہین،

اقدام، طنین، توحید افکار، الیرا، و اقتیت، پیام صبح (۱۹۲۳ء مین بند ہوگیا)، وطن اور اقشام،

۱۹۲۴ء مین ایک ماہوار رسالہ المحراب قسطنطنیہ سے نکلا اس کی اشاعت لاطینی رسم خط مین ہوتی ہے، اور مذہبی، فلسفیانہ اور تاریخی نقطۂ نظر سے موجودہ اسلام پر روشنی ڈالتا ہے اس کے مدیر ایک نہایت قابل شخص ہین،

انگورہ کے اخبار بجد ترقی کر رہے ہین، اور ذیل کے پرچے نکلتے ہین،

کلیم ملیہ، عین کن، عین ترکیہ، اور شہیر،

شام مین ایک ترکی اور چھبیس ۲۶ عربی اخبار نکلتے ہین، خاص بیت المقدس سے علاوہ ان اخبارون کے ایک ترکی اور پندرہ ۱۵ عربی پرچون کی اشاعت ہوتی ہے،

۲ مصر، عرب اور عراق

مصر مین اخبارون کی اشاعت کا بیڑا اول اول گورنمنٹ نے اٹھایا، عربی کا پہلا اخبار ۲۰ نومبر ۱۸۲۸ء کو قاہرہ سے نکلا اس کا نام الواقعۃ المصریہ تھا جو ترکی اور عربی مین نکلتا تھا، دوسرا اخبار یکم جنوری ۱۸۵۸ء کو بیروت ملک شام سے نکلا اس کا نام حدیقۃ الاخبار تھا اور یہ عربی اور فرانسیسی زبانون مین نکلتا تھا، بیروت سے دوسرا عربی اخبار البشیر ۱۸۶۹ء مین نکلا، اخباری ترقی مصر مین بہت اچھی ہوئی اور ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ کس قدر ترقی ہوئی،

سال	اخبارون کی تعداد	سال	اخبارون کی تعداد
۱۸۹۲ء	۴۰	۱۹۰۹ء	۱۴۴
۱۸۹۹ء	۱۶۷		

اخباری آزادی مصر مین بہت جلد مل گئی،

مسلمانون کی تعداد جو عربی بولتی ہے ۰۰۰، ۰۰۰، ۴۵ ہے، عربی اخبارون کا مرکز صرف قاہرہ، بیروت،

دمشق، بغداد، مکہ اور مدینہ ہی جیسے شہر نہین ہین، بلکہ اسلامی دنیا کے ہر مرکز سے عربی اخبارون کی اشاعت ہوتی ہے، آجکل مالٹا مین دو عربی اخبار نکلتے ہین جنمین سے پہلا اخبار ۱۸۷۹ء مین جاری ہوا، کلکتہ مین ایک عربی اخبار ۱۸۲۲ء سے نکلنا شروع ہوا، ترکی اور مصر کے انقلابی اشخاص نے جو دنیا کے دوسرے ممالک مین شہر بدر کر دیئے گئے تھے ایک ہیجان برپا کر دیا، اور ان مقامون سے اخباری دنیا مین چیخ پکار کرنے لگے، ان اخبارون کی اشاعت پیارس، قسطنطنیہ، سوئٹزرلینڈ، اور جنوبی امریکہ جیسے ملکون سے ہوئی،

عربی اخبار اکثر اوقات اٹلی، فرانس، لندن، تفلس، نیویارک اور فلیڈلفیا سے جاری ہوئے ہین، اگرچہ ۹۰ فیصدی عربی بولنے والی آبادی ناخواندہ ہے، لیکن اسپر بھی اخبارون کا کافی اثر لوگون پر ہے، مصر اور شام سب آگے مین ہین، عربی اخبارون کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دنیا کے ہر ہر گوشے مین پھیلے ہوئے ہین جیسا کہ ذیل کا نقشہ ظاہر کرتا ہے،

دنیا مین عربی روزنامہ اخبارون کی اشاعت ۴۷۴ ہے جو حسب ذیل مختلف مقامون سے نکلتے ہین،

قاہرہ (۹۶) اسکندریہ (۲۸) باقی مصر اور سوڈان (۶) بیروت (۳) بیت المقدس (۵) قسطنطنیہ (۱۶) جانر (۲) بغداد (۳۳) بصرہ (۹) طرابلس شام (۹) دمشق (۲۲) ہاما اور ہومز (۱۱) لبنان (۲۴) حلب (۱۵) لاتیکیہ (۲) باقی ترکی (۱۳) پیرس (۱۲) مارسیلی (۱) لندن (۴) سارڈینیہ (۱) مالٹا (۱) لینن گراڈ (۲۱) الجزائر (۶) مراکش (۳) ٹیونس (۲۶) طرابلس غرب (۳) نیویارک (۱۲) بیونس آئرس (۵) ساؤپالو (۸) راڈیجنیرو (۲) مانٹرل (۳) باقی امریکہ (۸) زنجبار (۲) سنگاپور (۲)،

عربی میگزینون کی اشاعت ۲۳۹ ہے جو ذیل کے مقامون سے نکلتے ہین،

قاہرہ (۲۱) اسکندریہ (۲۴) باقی مصر (۷) بیروت (۳۴) قسطنطنیہ (۱) جافہ (۱) بغداد (۴) طرابلس شام (۳) دمشق (۵) ہاما اور ہومز (۴) لبنان (۸) حلب (۲) باقی ترکی (۶) مارسیلی (۱) الجزائر (۱) مراکش (۱) ٹیونس (۴) لکھنؤ (۱) نیویارک (۵) بیونس آئرس (۳) ساؤپالو (۲) مانٹرل (۱)

عربی اخبارون کی مصر مین نمایان ترقی ہوئی، ۱۸۹۹ء مین اخبارون کی تعداد ۱۶۹ تھی اور ۱۹۱۳ء مین

۲۰۰ ہوگئی، مصر مین میگزینون کی اشاعت نوے سے اوپر ہے اور ذیل کی زبانون مین نکلتے ہین، صرف مسلمان اخبارون کی تعداد دیجا رہی ہے،

زبان	تعداد	زبان	تعداد	زبان	تعداد	زبان	تعداد
عربی	۵۷	انگریزی	۴	یونانی	۸	مالٹیز	۱
فرانسیسی	۱۲	لاطینی	۴	آرمینیا	۳	ہبرو	۱

موجودہ زمانہ کے لحاظ سے روزانہ اخبارون کی تعداد برابر بڑھتی چلی جا رہی ہے، جنگ عظیم سے قبل ایک روزنامہ عربی کی اشاعت .... تھی لیکن اب ہر ایک روزنامہ کی اشاعت .... ۴ سے کم نہین ہوتی آجکل کے مشہور اخبار ذیل کے ہین جو سب کے سب سیاسی ہین،

الاہرام، المقطم، البلاغ، رو دنیل، المحروسہ، الاخبار، اور السیاستہ،

المنار ماہوار رسالون مین صف اول مین ہے جسکی بنیاد شیخ محمد عبدہ نے ڈالی تھی اور ان کے مرنے کے بعد انکے شاگرد رشید سید رشید رضا نے مکو زندہ رکھا، یہ رسالہ مذہبی ہے اور اسکے ہر نمبر مین کلام پاک کی تفسیر اور کتب کے تبصرے و تنقیدین نکلتی ہین لیکن اشاعت بہت کم ہوتی ہے،

جنگ عظیم کے زمانہ مین اخباری دنیا کے متعدد شدید نقصانات اٹھائے ہین، مصر کے اخبار ہندوستان سے محبت اور ترکی سے برادرانہ تعلقات رکھتے ہین جس سے سیاسی نقصانات اکثر اخبارات نے اٹھائے اور گورنمنٹ نے اکثر مطبع ضبط کر لیے، الہلال ایک ہونہار اخبارون مین سے ہے،

عرب زیادہ تر اپنی خبرین قاہرہ سے لیتا ہے، خلافت کے زمانہ تک کوئی عمدہ اخبار نہ نکلتا تھا سوائے گورنمنٹ کے جو اکثر بصرہ اور بغداد مین آتے تھے، ۱۹۱۶ء مین القبلہ مکہ سے نکلا لیکن طباعت اسکی قاہرہ سے ہوئی، یہ ایک سیاسی پرچہ تھا اور کچھ دنون تک اسکا بہت دور دورہ رہا جس کے پیچھے امرائے مکہ کام کرتے تھے، سلطان ابن سعود کے زمانے جب وہابیون نے زور پکڑا یہ اخبار قریب قریب بالکل بند ہوگیا ہے، اور ایک نیا اخبار ام القریٰ جاری ہوا ہے،

سوئیا میہ مین حالت بہت ناگفتہ بہ ہے، بغداد جیسے مشہور شہر سے صرف پانچ اخبار نکلتے ہین اور بصرہ سے دو، لیکن اب اخبارون مین ترقی کی لہر دوڑنے لگی ہے، المفید اور الاستقلال سیاسی اخبار ہین جو گورنمنٹ اور دوسری سیاسی جماعتون پر تنقیدین لکھتے ہین،

(باقی)

"آئینۂ بخت"

از

جناب حافظ احمد علی خان صاحب شوق، سابق ناظم کتبخانہ رامپور،

رامپور کے مشہور سرکاری کتبخانہ مین فارسی کتب تاریخ کے سلسلہ مین ایک قلمی تاریخ "آئینۂ بخت" نام موجود ہے جو اورنگزیب عالمگیر کے عہد کی ایک تصنیف ہے، اس کے مولف کا نام بختاور خان ہے، تقطیع کتابت ۷×۴، ۱۴ سطر، خط نستعلیق معمولی، نہایت پیوند کار، آب رسیدہ، اکثر جگہ سے حرف اڑ گئے ہین، کہین کہین صفحے بھی کم ہین، کتابت بھی بہت غلط ہے،

آغازِ کتاب "الحمد لِلّٰہ ذی الجود بافضل انواع النعماء"

آغاز صفحہ ۲ "محی الدین محمد عالمگیر بادشاہ غازی" اول صفحہ کسی اور کتاب کا ہے، اور اصل تاریخ دوسرے صفحہ سے شروع ہوئی ہے، مگر دیباچہ کے چند ورق نہین ہین، صفحہ ۲ مین مولف کہتا ہے: "در تحجیل ضمیر مولف این مجموعہ جامعہ تسمیہ آن آئینہ بخت کہ ہم نام است وہم تاریخ" آئینہ بخت کے عدد ایک ہزار اٹھتر ۱۰۷۸ ہین، یہ تاریخ کتاب کے شروع کرنے کی ہے، پھر لکھتا ہے: "کہ مین نے اس تاریخ کو جدید طرز پر ایک مقدمہ سات آرایش اور خاتمہ پر تقسیم کیا ہے"، اور ہر آرایش مین چند نمایش ہین اور ہر نمایش مین چند نمود، لیکن آرایش ہفتم جس مین اورنگزیب کا ذکر ہے، اس کا نام بجاے آرایش کے پیرایش رکھا ہے، بہر حال اس کتاب مین بابر کے وقت سے شاہجہان کے عہد تک مختصر حالات ہین، اور عالمگیر کی دہ سالہ حکومت کے واقعات بالتفصیل ہین، آرایش اول مشتمل بر پنج نمایش، نمایش اول مین بابر بادشاہ کے مختصر واقعات ہین، واقعات کے علاوہ بابر کی تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے، رانا سانگا کی لڑائی مین شیخ زین خوافی مولف تاریخ بابری کی موجودگی بھی بیان کی ہے، نمایش دوم

مین ہمایون کے حالات ہین، نمایش سوم مین اکبر کے حالات، اور ہر سال کے مجمل واقعات کا بیان ہے، نمایش چہارم مین جہانگیر کے حالات ہین، نمایش پنجم مین شاہجہان کا مختصر ذکر ہے، آرایش (بغیر نمبر) ایکین عالمگیر کے حالات ہین، اور مولف کہتا ہے "علت غائی اس تالیف کی عالمگیر کے حالات ہین"، اور اس آرایش کو تین پیرایش پر تقسیم کیا ہے،

نمایش اول (غالبًا کتاب کی غلطی ہے، پیرایش ہونا چاہئے) اس مین عالمگیر کے بادشاہ ہونے کے قبل کے واقعات اور دہ سالہ حکومت کے واقعات ہین، ۱۰۶۸ھ مین شاہجہان کی علالت کے وقت سے واقعات دہ سالہ شروع کئے ہین، ۱۰۶۸ھ مین عالمگیر تخت نشین ہوا، ہر سال کے واقعات بالتفصیل ۱۰۷۸ھ تک لکھے ہین، صفحہ ۴۴۳ کے بعد چند ورق کم ہین،

پیرایش دوم مین عالمگیر کے عادات وخصائل، اولاد کے نام، ممالکِ محروسہ کی کیفیت، سلاطین معاصر کے نام، اس پیرایش کو چار نمایشون پر تقسیم کیا ہے،

نمایش اول، اس مین عالمگیر کے شمائل کا بیان ہے، مورخ کہتا ہے کہ مین ہر وقت حاضر خدمت سلطانی رہتا ہون، اس لئے مجھے مفصل عادات پر اطلاع ہے، نمایش دوم مین اولاد کا ذکر ہے، اور نمایش سوم مین ممالک محروسہ کی مساحت کا بیان ہے، نمایش چہارم مین عالمگیر کے معاصر بادشاہون کا ذکر ہے،

نمایش کوئی ہندسہ نہین ہے، مشتمل بر دو نمود، نمود اول در ذکر مشائخ کرام صفحہ ۴۰۴، در ذکر علماے این عصر

نمایش سوم (غالبًا نمود کی جگہ غلطی سے نمایش لکھدیا ہے) خوشنویسون کے حالات،

نمود اول صفحہ ۸۰، بیان بعضے عجائب وغرائب ربع مسکون،

نمود دوم، ذکر برخے از آثار ہمیقدار این امیدوار کرم پروردگار،

بفضل الرحمان بختاور خان، اس مین اپنی تالیفات اور تصنیفات کو بیان کیا ہے.

نمود سوم مین اپنی تعمیرات کی تفصیل بیان کی ہے،

صفحہ ۱۴۰ سے بہ ترتیب حروف تہجی شعراء کے مختصر حالات اور ان کے اشعار کا انتخاب ہے،

صفحہ ۳۴۹ پر مرزا غازی ترخان کا حال ہے، جو جہانگیر کے عہد میں قندہار کا حاکم تھا اس کی کتاب ساقی نامہ سے یہ تین شعر نقل کیے ہیں،

بہ باغ ار فتد عکس از روے یار　　　بود نوک ہر خار رشک بہار

بہ آب ار بشوید دو زلف سیاہ　　　بتاثیر سنبل شود ہر گیاہ،

غرض کہ آغاز اور اختتام اور درمیان سے کتاب ناقص ہے،

راجہ جسونت سنگھ سے جب عالمگیر کا مقابلہ ہوا اس موقع پر لکھتا ہے۔

"وجامع این نگرف نامہ اضعف الانسان بختاور خان کہ ہمہ اوقات باحراز سعادت خدمت حضور پر نور مستعد است دران وقت در رکاب بودہ شرف اندوز دولت مشاہدہ طلعت نورانی حضرت خلیفۃ الرحمانی بود"

شجاع کی جنگ میں عالمگیر کے ہمرکاب تھا، اجمیر میں دارا شکوہ کی مہم میں شریک تھا، ۳ ذیقعدہ ۱۰۷۵ھ میں بیالیس سالہ جشن وزن قمری عالمگیری میں اس کو خانی کا خطاب ملا، سال ہفتم جلوس عالمگیری میں مطابق ۱۰۷۴ھ ایک خاصہ کا گھوڑا مع ساز عطا ہوا، ملا عبداللہ پسر ملا عبدالحکیم سیالکوٹی سے بہت دوستی تھی،

مؤلف اپنی تالیفات کے متعلق لکھتا ہے، کہ ایک تو یہی تاریخ آئینہ بخت ہے، اس کے علاوہ منطق الطیر عطار اور مثنوی مولانا روم کا انتخاب کیا، حکیم سنائی، عطار اور مولانا روم کے کلام کا انتخاب کیا اور اس کی خود تاریخ کہی،:۔

این نادرہ مجموعہ معنی کہ بصورت　　　سرخوش قدحے پر زمے دلکش وناب است

چون گشت تمام از مدد طبع سخن یاب　　　تاریخ شد .... لب سر کتاب است

اخیر مصرعہ میں کتابت سے کوئی لفظ رہ گیا ہے،

تاریخ روضۃ الاحباب کا انتخاب کر کے اس کا تاریخی نام احباب نبی (۱۰۸۷ھ) رکھا، تاریخ الفی کا انتخاب کیا اس کی یہ تاریخ کہی،

چون انتخاب کہ است ز تاریخ احمدی،　　　تاریخ جمع آن شدہ زان انتخاب کے

سنہ ۱۰۸۴ھ

صائب کے دیوان کا انتخاب کیا اور اس کے ساتھ مجموعہ نظم ونثر لگا دیا، اس کا تاریخی نام ترتیب... ...(کاغذ یہاں کرم خوردہ ہے) ایک بیاض کلام نظم ونثر اساتذہ سے ترتیب دی جس کا نام دلکشا رکھا اور تاریخی نام "مجموعہ شعر ہاے رنگین" رکھا، جس کے عدد ۱۰۸۰ ہیں،

مولف اپنی عمارتوں کے بیان میں لکھتا ہے کہ میں نے نواح شاہجہان آباد میں ایک سرائے بنائی اور اس کا نام بختاور نگر رکھا، سرخوش شاعر نے ذیل کی تاریخ کہی،

در ہمایون عہد عالمگیر شاہ،　　　زیب تخت وتاج و فخر دین وداد

بہر تعمیر سراے دلکشا،　　　خان بختاور کف ہمت کشاد

چون شد این معمورۂ دلکش بنا　　　دہر بختاور نگر نامش نہاد

خواست طبع سرخوش جام سخن　　　سال اتمامش ز فیض بامداد

شاد و خرم زو بر آمد راہ رو،　　　گفت بختاور نگر آباد باد

بختاور نگر آباد باد کے اعداد ۱۲۹۵ ہیں، راہ رو کے عدد ۲۱۲ ہیں، ۲۱۲ عدد کے تخرجہ کے بعد ۱۰۸۳ عدد رہتے ہیں، اس کے سوا اور بھی تاریخیں اور عمارتوں کی پوری تفصیل لکھی ہے، جسمیں مسجد، حمام وغیرہ بھی ہے،

ایک باغ لگایا جس کی یہ تاریخ ہے،

در زمان شہ دین عالمگیر،　　　کہ ازو کفر شدہ مستاصل

خانہ جم مرتبہ بختاور خان　　　منزلے ساخت منزہ ز خلل

عقل بیگشت پے تاریخش ، آمد از غیب بنا باغ محل ،
(۱۰۸۱ھ)

باغ کے متصل ایک پختہ تالاب بنایا، اس کی تاریخ ہے،

منبع فیض آمد آن سرچشمۂ آب بقا منبع الفیض ار شود تاریخ آن باشد روا
(۱۰۸۳ھ)

سرائے سے آدھے کوس پر ایک پہاڑی مین بند باندھکر پانی کو تالاب مین جمع کیا، بختاور نگر اور فرید آباد کے درمیان ندی تھی، اس کا پل بنایا، اسکی تاریخ ہے "گذرگاہِ عالم" ۱۰۸۵ھ قدم رسول کے متصل بختاور پورہ نامی ایک عمارت بنائی، اس مین مسجد مع حوض تیار کرائی، مسجد کی یہ تاریخ ہے :۔

بختاور خان بعون فضل معبود مسجد بقدم رسول برپا فرمود

تاریخ بنائے آن خرد ثبت نمود اندر قدم رسول شد جائے سجود
(۱۰۸۶ھ)

اس مسجد کے شمال مین اپنے لئے قبر بنوائی، اور قبر کے جنوب مین جماعت خانہ، عرس کی مجالس کے واسطے اور مہمانون کے قیام کے لئے عمارت بنائی، ایک کٹرا بھی وہان تعمیر کیا، اعز آباد مین ایک باغ تیار کیا جس کی تاریخ ہے، "برروئے زمین بہشت" (۱۰۹۰ھ) لاہور مین باغ فیض بخش کے متصل ایک باغ لگایا اس کی تاریخ ہے، "باغ عجب" ۱۰۸۰ھ، شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مزار کے پاس مسجد تعمیر کی، عالمگیر نے بھی مین نماز پڑھی اس مسجد کی تاریخ ہے، فولِ وجھک شطر المسجد الحرام ۱۰۸۰ھ، اس کے علاوہ آگرہ، لاہور اور برہان پور مین بھی عمارتین بنائین، انکا ذکر مولف نے نہین کیا ہے،

عبد الرسول تخلص استغنا، شیخ کمال تخلص آفری (جس نے فتوحات بدائع وقائع عالمگیری کو بارہ ہزار بیت مین نظم کیا) اور تحسین شاعر ازاولاد کمال خجندی وغیرہ شعرا نے بختاور خان کی مدح مین قصائد لکھے ہین :۔

فہرست کتب فارسی قلمی برٹش میوزیم سے معلوم ہوا کہ بختاور خان نے مرأت عالم نام تاریخ لکھی ہے اس کی تصنیف کی تاریخ بھی آئینۂ بخت ہے، اور آرایش کے نام سے سات حصے ہین، ساتوین آرایش

کے حالات اور اس آئینۂ بخت موجودہ رام پور کے حالات یکسان ہین، اور فصلون کی تقسیم بھی وہی ہے، غالباً ابتدا مین مؤلف نے صرف بابر سے عالمگیر تک کے حالات لکھے اور اس کا نام آئینۂ بخت رکھا، جیسا کہ دیباچہ سے ظاہر ہے، پھر اسکو وسعت دی اور مرأتِ عالم نام رکھا، اور سنہ تالیف آئینۂ بخت قائم رکھا،

برٹش میوزیم مین جو نسخہ مرأت عالم کا موجود ہے، اس کے خاتمہ پر اس کے متبنی فرزند (غالباً ساقی مستعد خان) نے لکھا ہے کہ بختاور خان نے مختصر علالت کے بعد پندرہ ربیع الاولیٰ سنہ ایکہزار چھیانوے ہجری مین، احمد نگر مین انتقال کیا، اورنگزیب اس کے لئے بہت رویا، اور خود نماز جنازہ پڑھائی، اور بختاور پورہ مین اپنے تعمیر کردہ مقبرہ مین دفن ہوا، یہ ایک خواجہ سرا تھا،

سہارن پور کے کوئی بزرگ مرأت عالم کی تالیف کے مدعی بتائے گئے ہین، واللہ عالم بالصواب،

معارف :۔ صمصام الدولہ شاہنواز خان نے اپنی کتاب مآثر الامرا مین بختاور خان خواجہ سرا کا ایک جگہ ذکر کیا ہے، (مآثر الامرا جلد ۳ صفحہ ۹ کلکتہ) اور اس کی کتاب مرآۃ عالم کا حوالہ اپنی کتاب کے مقدمہ (ص کلکتہ) بسلسلۂ مآخذ کتاب دیا ہے،

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کا قدیم تمدن

پنجاب اور سندھ کے آثار قدیمہ

عام خیال تھا کہ ہندوستان کے قدیم باشندے سنہ ۱۲۰۰ قبل میلاد مسیح تک بالکل وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے، اسکے بعد ایک نووارد قوم افغانستان وغیرہ سے آئی، اور اس نے ہندوستان مین تمدنی بیداری پیدا کی لیکن مغربی ہندوستان کے شمالی حصے بالخصوص وادی سندھ مین جو آثار قدیمہ دریافت کیے گیے ہین، انھون نے ہمارے اس خیال کو بالکل بدل دیا ہے، اور نہر سندھ کے مغربی کنارے پر سر جان مارشل نے آثار قدیمہ کے جو چھپے ہوے خزانے زمین کے اندر سے نکالے ہین، اون سے ایسے شہرون کا پتہ چلتا ہے جنمین سب سے قدیم شہر کی تاریخ چار ہزار سال قبل مسیح ہے اور اسکی تاریخ کا سرکاری تخمینہ ۳۰۰۰ قبل مسیح کیا گیا ہے،

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ہم کو ہندوستان مین ایسے شہرون کے آثار ملتے ہین جنکی تاریخی قدامت پانچ ہزار سال کی ہے، اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ ان شہرون کا طرز زندگی بالکل موجودہ زمانے کے طرز زندگی سے مشابہ معلوم ہوتا ہے، موہنجو دارو کے آثار دریافت ہونے سے پہلے یہ کسکو خیال تھا کہ پتھر کے مکانات مین جن کا سلسلہ تنگ اور کشادہ سڑکون کے دونون کنارون پر چلا گیا ہے، اس دور افتادہ زمانے مین اسقدر نزاکت اسقدر پائداری اور اسقدر شان پائی جا سکتی ہے کہ مصر و عراق مین بھی ان کی نظیر نہین ملتی،

زمین کے نیچے جو تمدن دفن ہے، اوسکی تحقیقات مین بعض یورپین لوگون نے بڑی ناموری حاصل کی ہے،

لیکن اس سلسلہ مین ہندوستان کے محکمہ آثار قدیمہ کے ایک متوسل کو جس کا نام بنرجی تھا، سنہ ۱۹۲۲ء اور سنہ ۱۹۲۳ء کے موسم سرما مین ایک مندر کی تاریخی تحقیقات مین اسی قسم کی ایک نمایان کامیابی حاصل ہوئی، چنانچہ اثناے تحقیقات مین اس کو چند سکے ملے، جن سے اوس کو معلوم ہوا کہ دوسری صدی عیسوی مین یہان بعض بدھ سنیاسی رہتے تھے، اوس نے مندر کی بنیادون کی تحقیقات کی تو اور بھی حیرت زدہ ہوا، کیونکہ اوس کو پختہ اینٹون سے بنی ہوئی ایک ایسی مضبوط عمارت کا پتہ چلا، جو مندر کی دیوارون کی اینٹون سے مشابہ تھی، پھر اوسکو چند مہرین ملین، جو اس سے پہلے صرف عراق کے شہرون مین مل چکی تھین، جن سے اوس نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ زیر خاک عمارتین نہایت قدیم زمانے کی ہین، سر جان مارشل نے بھی گذشتہ سال اسی قسم کی مہرین ہاریا مین پائی تھین، جو موہنجو دارو سے ۴۰۰ میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے، ان تمام باتون سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان کے قدیم تمدن کی بہت سی یادگارین ہندوستان کے مغربی شمالی حصے مین زمین کے اندر چھپی ہوئی ہین، اور اس طرح ان دونون مقامات (موہنجو دارو اور ہاریا) مین مسلسل تحقیقات کی گئی، تو ہندوستان کے قدیم تمدن کے متعلق بہت سی اصولی باتین معلوم ہوئین،

ایک قدیم حمام

موہنجو دارو سندھ مین اور ہاریا پنجاب مین واقع ہے، اور دونون چار سو میل کے فاصلے پر واقع ہین، ان دونون مقامات مین تحقیقات کیگئی، تو ایسے آثار کا پتہ چلا، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر ۴۷۰۰ سال سے زیادہ زمانے سے آباد تھے، ان تمام آثار مین سب سے زیادہ عجیب ایک شاندار عمارت کا سراغ ملا، جسکے اندر ایک بڑا حوض تھا، جس سے یا تو حمام کا کام لیا جاتا تھا، اور بعض مذہبی تہوارون کے موقع پر اوس مین نہان ہوتا، یا گھڑیال یا بعض مقدس مچھلیان پائی جاتی تھین، اس حوض کا طول ۳۹ انچ، عرض ۲۳ انچ اور عمق آٹھ انچ تھا، پانی مین اوترنے کے لئے اوس کے دونون جانب سیڑھیان لگی ہوئی تھین، حوض کی زمین اور دیوار پر پتھر جڑے ہوئے تھے، جن پر نہایت نازک اور پائدار کام بنا ہوا تھا، دیوارین پختہ اینٹ کی بنی ہوئی تھین اور گارے سے جڑی ہوئی تھین، اور اندرونی دیوار کے اوپر تارکول لگا ہوا تھا تاکہ پانی نہ اثر کر سکے، حوض کے متصل ایک نالہ بنا ہوا تھا، جس پر چھ انچ اونچا پل بندھا ہوا تھا، اور اس نالے کے ذریعہ سے حوض کا پانی شہر کے باہر بہایا جاتا تھا، اسی

حمام کے قریب اُسی کے مشابہ ایک اور حمام بھی تھا، لیکن وہ شکستہ ہو چکا تھا،

اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے مکانات اور دوکانین دریافت ہوئین، کلدانیون کے شہر اُر مین بھی اسی قسم کی عمارتین نکلی ہین، لیکن یہ موہنجو دارو کی عمارتون کا مقابلہ نہین کر سکتین، بالخصوص وہان ایسے نالے نہین پائے جاتے جو مختلف حمامون سے گندے پانی کو ایک حوض مین جمع کر کے شہر کے باہر بہا دین،

وضع لباس بابلی زبان مین روئی کو "سندھو" اور یونانی زبان مین "سندن" کہتے ہین، اور ان دونون الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ وادی نہر سندھ روئی کی کاشت کا اصلی مرکز تھا، اور اس لحاظ سے یہان صنعت پارچہ بافی کو خاص طور پر فروغ حاصل تھا، اور ان نو دریافت شہرون کے کھنڈرون مین کپڑون کے جو بعض ٹکڑے ملے ہین، اون سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، مرد کمر مین دھوتی باندھتے تھے، اور سادہ یا زربفت کے کام کی چادر شانے پر ڈالتے تھے، اور داڑھی اور مونچھ کبھی کبھی مونڈ ڈالتے تھے اور کبھی کبھی رکھ لیتے تھے، سر کے بال کو اکھٹا کر کے جوڑا باندھتے تھے، لیکن ایک عورت کا ایک ایسا مجسمہ ملا ہے جسکے بال دونون شانون پر بکھرے ہوئے ہین، تاہم یہ نہین کہا جا سکتا کہ یہ اس وقت کی عام وضع تھی، لیکن ادنیٰ طبقہ کے لوگ بالکل برہنہ رہتے تھے، اور عورتین صرف اس قدر کپڑا استعمال کرتی تھین جس سے اون کی ستر پوشی ہو سکے، بلکہ ایک رقاصہ کا مجسمہ بالکل برہنہ حالت مین پایا گیا، لیکن طبقہ برتر کے مرد اور عورت مختلف قسم کے زیور مثلاً ہار، انگوٹھی اور جھنیوا استعمال کرتے تھے، البتہ پازیب عورتون کا مخصوص زیور تھا،

مویشی بیل بھینس، بکری، سور، کتا، گھوڑا، اور ہاتھی، ہندوستانیون کے پالو جانور تھے، اونٹ اور بلی کا پتہ نہین چلتا، جنگلی جانورون مین چیتے اور ہاتھی کا پتہ چلتا ہے، شیر کا نہین چلتا،

زراعت زراعت اور آبپاشی کے طریقون کا جو پتہ چلا ہے وہ مبہم اور غیر واضح ہے، البتہ موہنجو دارو مین گیہون کے جو اقسام دریافت ہوئے ہین، وہ وہی ہین جو اب تک پنجاب مین پائے جاتے ہین، لیکن سالانہ بارش اوس سے زیادہ ہوتی تھی، جسقدر سندھ اور پنجاب مین اب ہوتی ہے،

غذا ان دونون شہرون کے باشندون کی غذا یہ تھی، دودھ، روٹی، گائے، بکری اور سور کا گوشت کچھوا، نہر سندھ کی تازی مچھلی، اور خشک مچھلی جو سمندر سے آتی تھی، اور اس کا ثبوت اون مختلف قسم کی ہڈیون سے ملتا ہے جو مختلف گھرون مین پائی جاتی ہین،

زیورات امراء سونے، چاندی، ہاتھی دانت، عقیق، یشب اور مختلف رنگین پتھرون کا زیور پہنتے تھے، لیکن غریب لوگ سیپ وغیرہ کے زیورات استعمال کرتے تھے، چنانچہ اس قسم کے ہار، بالیان اور خالص سونے کی سوئیان بکثرت دستیاب ہوئی ہین، اور اس قدر صاف و شفاف ہین، کہ اس زمانے کے بڑے بڑے سونار اون پر فخر کر سکتے ہین،

اوزار اور ہتھیار سونے چاندی کے علاوہ اور بھی بہت سی دھاتین مختلف کامون مین استعمال کی جاتی تھین، مثلاً ہتھیار اور خانگی استعمال کے برتن اور آرایش کے سامان تیبل سے بنائے جاتے تھے اور اوس کو مغرب مین بلوچستان، مشرق مین راجپوتانہ، اور شمال مین افغانستان سے لاتے تھے، البتہ قلعی ہندوستان مین کمیاب تھی، اس لئے غالباً وہ خراسان وغیرہ سے لائی جاتی تھی، لیکن خاص قلعی کا استعمال نہین کرتے تھے، بلکہ اوسمین تیبل ملا کر کانس بناتے تھے، اور اوس سے تیز ہتھیار مثلاً آرہ، چھوٹے چھوٹے مجسمے اور معمولی زیور بناتے تھے، اگرچہ کانس کو خالص تیبل پر تفوق حاصل ہے، تاہم چونکہ وہ ایک کمیاب دھات تھی، اسلئے اوس کا استعمال بہت کم ہوتا تھا،

لیکن جو اوزار اور ہتھیار دستیاب ہوئے ہین، اون کی نوعیت صرف چند پھاوڑون، خنجرون، تیرون، اور نیزون سے متجاوز نہین، جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ ان شہرون کے باشندے جنگجو اور مرد میدان نہ تھے، اس کے ساتھ بہت سے پتھر کے اوزار بھی دستیاب ہوئے ہین، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر حجری کی یادگارین بھی اون مین موجود تھین، یہ لوگ سمندر کے کنارے سے سیپ بھی لاتے تھے، اور اسکو مختلف زیورات مین استعمال کرتے تھے،

برتن لیکن گھر کے معمولی برتن زیادہ تر مٹی کے ہوتے تھے، جنکی شکلین مختلف ہوتی تھین، اور اون مین صنعتی نفاست پائی جاتی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صنعت اون مین نہایت قدیم زمانے سے پائی جاتی تھی، اور اس

اوس پر اسقدر زمانہ گذر چکا تھا کہ اوسمین نفاست اور پختگی آگئی تھی، لیکن اون مین اگرچہ چند برتن منقش اور رنگین بھی
تھے، لیکن زیادہ تر تعداد سرخ اور غیر منقش برتنون کی تھی، اوران پر جو نقش ونگار بنائے جاتے تھے، وہ زیادہ تر ہندسون
کے اعداد اور بعض جانورون کی تصویرون سے تعلق رکھتے تھے، موہنجو دارو مین ایک برتن ایسا بھی ملا ہے جس پر سرخ
سیاہ اور سفید نقش بنا ہوا تھا،

تحریر و کتابت ہر عمارت مین کچھ مہرین بھی ضرور ملتی ہین اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہان کے باشندے فن تحریر
سے واقف تھے، اور غالباً اوس سے تجارتی کاروبار مین کام لیتے تھے، لیکن یہ مہرین صرف پختہ مٹی پر ملی ہین،
اس لئے ہم یہ نہین بتا سکتے کہ اوس کے علاوہ وہ اور کن کن چیزون پر لکھتے تھے، لکڑی اور بعض درختون کی چھال
سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا،

(مقتطف بابت فروری ۱۹۳۲ء) "ع"

محقق طوسی

بعض مذہبی خیالات اور بعض سیاسی واقعات نے اگرچہ محقق طوسی کو عام اسلامی جماعت مین سخت
بدنام کردیا ہے، تاہم اون کی علمی خدمات سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا، بالخصوص ہلاکو خان کے دربار مین ایک رکن
سلطنت کی حیثیت سے اونھون نے جو اہم علمی خدمتین کی ہین، اون کا احسان مسلمانون کے سر پر ہمیشہ رہے گا،

محقق موصوف ۵۹۷ھ مین بمقام طوس پیدا ہوئے، اور کمال الدین بن یونس موصلی، اور معین الدین
سالم بن بدران المعتزلی سے جو امامیہ مذہب رکھتے تھے، تعلیم حاصل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد غالباً معاش کی
ضرورت یا سیاسی اغراض سے وہ اکثر قہستان اور بغداد کا دورہ کیا کرتے تھے، اور اس سلسلے مین انھون نے معتصم
کی مدح مین ایک قصیدہ بھی لکھا تھا، لیکن معتصم کے ایک وزیر نے اوسکو اپنی ذاتی مصلحت کے خلاف سمجھا، اور حاکم قہستان
کے پاس کہلا بھیجا کہ محقق موصوف کی نگرانی کرنی چاہئے، بہرحال اس حالت مین ایک مدت تک انھون نے قلعہ
موتی مین زندگی بسر کی، اور اسی قلعہ مین انھون نے ریاضی کی اکثر کتابین لکھین، غالباً یہ محقق موصوف کی

نظربندی کا زمانہ تھا، جو ساتوین صدی کے نصف حصے تک قائم رہا، لیکن اوسکے بعد ہلاکو خان نے محقق موصوف کی نہایت
قدر ومنزلت کی اور انکو اپنے ممالک مقبوضہ کے تمام اوقاف کا متولی بنادیا، اور محقق موصوف نے اوقاف کی آمدنی سے ایک نہایت
عمدہ کتبخانہ قائم کیا، جسمین تخمیناً چار لاکھ کتابین جمع کین، مشہور ہے کہ جب ہلاکو خان نے بغداد وغیرہ پر حملہ کیا تو اس حملے مین بغداد و شام
کا تمام علمی سرمایہ ضائع ہوگیا اور اسقدر کتابین دریا برد کیگئین کہ مورخین کا بیان اگر مبالغہ آمیز نہ سمجھا جائے تو دجلہ کا تمام پانی سیاہ
ہوگیا، لیکن محقق موصوف کا سب سے بڑا علمی احسان یہ ہے کہ اس غارتگری مین جو کتابین برباد ہوئی تھین، اونکا بچا کچھا حصہ انھون نے
اس کتبخانہ کے ذریعہ سے محفوظ کرلیا، اور اسمین زیادہ تر وہی کتابین جمع کین، جو اس لوٹ مار مین ہاتھ آئی تھین،

ان اوقاف کی آمدنی سے اونھون نے دوسرا علمی کام یہ کیا کہ مراغہ مین ایک رصدگاہ قائم کی جس مین
علم ہیئت کے متعلق نہایت عمدہ آلات جمع کئے اور بڑے بڑے ریاضی دانون کو اس علمی کام کے لئے مامور کیا،
چنانچہ خود محقق موصوف نے زیج الایلخانی مین لکھا ہے کہ مین نے رصدگاہ کے قائم کرنے کے لئے حکماء کی ایک
جماعت کو جمع کیا، مثلاً دمشق سے موید عرضی کو، موصل سے فخر مراغی کو، تفلیس سے فخر خلاطی کو اور نجم دبیران
قزوینی کو، اور ہم سب نے ۶۵۷ھ مین اس رصدگاہ کی بنیاد ڈالی، آثار باقیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محی الدین مغربی
بھی اس علمی جماعت مین شامل تھے، اور اون کے شامل ہونے کی تقریب یہ ہوئی کہ جب ہلاکو خان نے حلب
پر قبضہ کیا، تو اوس نے ایک شخص کی آواز سنی، جو پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ مین منجم ہون، ہلاکو خان کو محقق موصوف
کے علمی ذوق اور اس رصدگاہ کے قیام کا حال معلوم تھا، اسلئے اوس نے اون کو فوراً مراغہ مین محقق موصوف کی خدمت
مین بھیج دیا، اور وہ اس علمی جماعت مین شامل ہوگئے،

ان خدمات کے ساتھ محقق موصوف ذاتی طور پر ایک خاص علمی آدمی تھے، اور ہمیشہ تحقیق و مطالعہ مین مصروف
رہتے تھے، اونھون نے عربی اور فارسی مین نہایت کثرت سے کتابین لکھی ہین، اور عقلی علوم مین سے تقریباً ہر فن
مین کتابین لکھی ہین، لیکن اون کی شہرت زیادہ تر علوم ریاضیہ مین ہے، اور انھون نے اس علم کی ہر شاخ پر اس کثرت
سے کتابین لکھی ہین، جنکے نامون کی تفصیل کے لئے کئی صفحے درکار ہین، لیکن محض نامون سے ناظرین معارف کی

دلچسپی مین کوئی اضافہ نہین ہو سکتا، اسلئے ہم اُن کی خصوصیات کی طرف اجمالی اشارہ کرتے ہین،

(۱) ان تصنیفات کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اوّل اوّل علم مثلثات مین اُنھون نے ایک مستقل علم کی حیثیت سے کتاب لکھی،

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہو کہ اُنھون نے اس علم کے متعلق چند واضح اور آسان نظریے قائم کئے،

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اُنھون نے بعض مشہور ریاضی دانون مثلاً ثابت اور ابوالوفا کے نظریات کا اقتباس ان کتابون مین شامل کیا،

(۴) چوتھی خصوصیت یہ ہو کہ یورپ نے بھی ان تصنیفات کی قدر کی اور ان مین بعض کتابون کے ترجمے جرمنی اور اٹالین زبانون مین ہوئے،

محقق موصوف نے ۶۷۲ھ مین بمقام بغداد وفات پائی اور مشہد کاظم مین دفن ہوئے (مقتطف بابۃ اور گرام ۱۹۳۱ء)

"ہماری بغاوت کے اسباب"

"ع"

عنوان بالا کے ماتحت حال مین "نیو لیڈر" نے ایک انعامی مقالہ شایع کیا ہے، نوجوانون کے ایک بڑے گروہ مین موجودہ نظام سرمایہ داری کے خلاف جو شورش برپا ہے، یہ مضمون اسی کی ترجمانی کرتا ہے، "نیو لیڈر" انگلستان کی مزدور جماعت کا ایک اخبار ہے، لیکن سرمایہ داری سے بیزاری کے جو اسباب مقالہ نگار نے پیش کئے ہین، وہ ضرور قابل لحاظ ہین، امید ہو کہ اس مضمون کا ترجمہ ناظرین کے لئے دلچسپ ہوگا، :-

"ہم غیر مطمئن ہین محض اس بنا پر کہ بعض چیزین وجود رکھتی ہین، ہم خواہ مخواہ انھین قبول نہین کر سکتے، شاید ہم نوجوان لوگ سادہ دل ہوتے ہین، تاہم کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ ہم نظام سرمایہ داری کے اصول کو یہ سمجھ کر قبول کر لین، کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا نظام ہو ہی نہین سکتا، اسی طرح ایک ایسے نظام کے امکان سے انکار کرنے کی بھی کوئی علت نظر نہین آتی، جو نسبتہً اصول عدل سے قریب تر ہو، چونکہ ہم یقین کرتے ہین کہ ایک بہتر نظام ممکن ہے، اس لئے ہمین اُس انقلاب کا خوف نہین ہے، جس کا ہراس موجودہ دور مین لوگون

کے دل و دماغ پر مستولی ہی"

ہم نظام سرمایہ داری سے برگشتہ ہین، کیونکہ یہ ایک متمدن قوم کے نظام معیشت مین ناکام ثابت ہوا ہے، یہ ناکامی اخلاقی بنیاد پر مبنی ہے، لاکھون اشخاص ایسے ہین جو کام کی تلاش مین ہین لیکن انھین کوئی کام نہین ملتا، ایسے لوگ بھی ہین جنھین کام تو ملتا ہے مگر ان کی محنت کا پورا معاوضہ نہین ملتا، برخلاف اس کے بیشتر وہ لوگ ہین جو کچھ کام نہین کرتے لیکن عیش و عشرت مین زندگی بسر کر رہے ہین، بنیادی ناانصافی یہ ہو کہ کام کرنے کیلئے آمادہ ہونے ہی سے کوئی شخص کام پانے اور وسائل معیشت کو حاصل کرنے کا مستحق نہین ہو جاتا ان وسائل پر تصرف انھی چند افراد کو حاصل ہی جو اس حق معیشت کو سب سے زیادہ قیمت ادا کرنے والون کے ہاتھ فروخت کرتے رہتے ہین،

لیکن سرمایہ داری کی اخلاقی کمزوریان اس کی اقتصادی کمزوریون سے علحدہ نہین کیجا سکتین، ایک بیروزگار نان بائی دیکھتا ہے کہ اُس کی بے روزگاری کا سبب کچھ تو یہ ہو کہ اُس کے ہم پیشہ دوسرے نان بائی زیادہ سامان تیار کرنے لگے ہین اور کچھ یہ کہ اُس جیسے بے روزگار لوگون مین خریداری کی استطاعت کم ہو گئی ہی، چنانچہ وہ مشینری اور بے روزگاری کو دنیا کے لئے عذاب الٰہی تصور کرنے لگتا ہے،

بے روزگاری کا سبب یہ ہے کہ لوگون مین سامان معیشت پیدا کرنیکی قوت بمقابلہ پہلے کے اب زیادہ ہو گئی ہے، لیکن اس کے استعمال کی استعداد (یعنی آمدنی) مین اُسی مناسبت سے ترقی نہین ہوئی ہی، جیسا کہ بارہا کہا جا چکا ہو، "نظام سرمایہ داری نے پیداوار کا مسئلہ تو حل کر دیا ہے، لیکن تقسیم کے مسئلہ مین یہ ناکامیاب ثابت ہوا، مزدور سب کی ضروریات کے لئے کافی سامان پیدا کر دیتے ہین، لیکن خود اپنی ضروریات پوری نہین کر سکتے، کیونکہ جو معاوضہ انھین ملتا ہے، وہ اس بات کے لئے کافی نہین ہوتا کہ خود اپنی پیدا کی ہوئی چیزین خرید سکین،

ضرورت سے زیادہ جو سامان ہوتا ہے، وہ ان ملکون مین بھیج دیا جاتا ہے جہان صنعت و حرفت پر زور نہین دیا جاتا، مختلف ممالک اپنے اپنے فاضل مال کو ان غیر صنعتی ملکون کے بازارون مین نکالنے کی کوشش کرتے ہین، باہمی جھگڑے پیدا ہوتے ہین، تو سیع سلطنت کا خیال ظہور پذیر ہوتا ہے اور بالآخر نوبت جنگ کی آتی ہے،

اخبار علمیہ

میسور مین چھ ہزار سال کے آثار قدیمہ

اسٹیٹسمین کی اطلاع ہے کہ ریاست میسور مین چتالدرگ کے قریب جو وادی چندراولی مین واقع ہے
نہایت اہم آثار قدیمہ دستیاب ہوئے ہین، وہان کی زمین کھودنے سے متعدد طبقات ارض کا پتہ چلا ہے جو کسی زمانہ
مین آباد تھے، ان مین سے بعض آٹھ سو اور بعض چھ ہزار سال قدیم ہین، ان آثار کی اہم ترین چیزون مین راجہ میورا
سرمن (MAYUYASARMAN) کا ایک کتبہ ہے جو ایک چٹان پر لکھا ہوا ہے، یہ پراکرت زبان مین ہے اور اسکا
سنہ کتابت ۲۵۰ء خیال کیا جاتا ہے، اسمین راجہ نے متعدد سربرآوردہ فرمانرواؤن پر جنمین سے بعض اُس وقت
شمالی ہند مین شہرت رکھتے تھے اپنی فتحیابی کا ذکر کیا ہے، اکتشافات کو دیکھنے سے چھ مختلف طبقون کے آثار معلوم
ہوتے ہین، پست ترین طبقہ مین عہد حجری اور عہد آہنی کے لوگون کے آثار ملے ہین، اس زمانہ کے مٹی کے برتنون سے
جو برآمد ہوئے ہین ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ فن کوزہ گری مین حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے، یہ چیزین زیادہ تر قبرستانون
کے قریب پائی گئی ہین جہان کثرت سے سنگی تابوت بھی دستیاب ہوئے ہین، اُن کے علاوہ چقماق اور دوسرے
تمام کے پتھرون کے بنے ہوئے مختلف آلات اور اوزار بھی ملے ہین جو اپنی صنعت کے لحاظ سے بہت خوب
ہین، ان مین سے چاقو کے پھل اور کھرپے زیادہ صفائی سے بنے ہین، بعض حصون مین پتھر اور دھات دونون طرح
کے آلات برآمد ہوئے ہین، ان کے متعلق خیال ہے کہ یہ اب سے چھ ہزار سال قبل کے ہین، اس طبقے سے اوپر جو
طبقہ ہے اس کی قدامت کا اندازہ دو ہزار سال سے تین ہزار سال تک کیا جاتا ہے، اس مین علاوہ مٹی کے برتنون
کے ایک سنگی نہر پائی گئی ہے جس کی چھت محرابی ہے، اس مین اینٹ کا بنا ہوا ایک نل لگا ہے جس کا قطر پانچ

غیر صنعتی ممالک اس فاضل مال کے عوض خود کوئی مال نہین دیتے، یہ ضرور ہے، کہ وہ بھی اپنا مال صنعتی ک...
کے مال کے عوض باہر بھیجتے ہین، لیکن یہ مال اُن کے لئے فاضل نہین ہوتا، اور نہ اُس فاضل مال کا بدل...
جو صنعتی ملکون سے اون کے بازارون مین آتا ہے،

جب تک دنیا کا بازار پھیلتا رہے گا، یہ نظام بھی نسبتہً کامیابی کے ساتھ جاری رہے گا، لیکن...
کا بازار غیر محدود حد تک پھیلتا نہ جائے گا، وقت آرہا ہے، جب اس کی وسعت اپنی انتہائی حد تک پہنچ...
چکے گی، اس وقت تمام تجارتی ملکون کو معلوم ہوجائے گا، کہ اُن کی منڈیان ختم ہوچکین، فاضل مال گو...
مین پڑا ہوا ہے قیمتین کم ہوگئین، پیداوار گھٹ گئی، بے روزگاری بڑھتی جارہی ہے، خود اپنا ملکی بازار...
سرو پڑ رہا ہے، اور پہلے سے زیادہ فاضل مال کا ڈھیر لگ گیا ہے، یہ وقت ہوگا جب منافع کم ہو...
ٹیکس کی آمدنی گھٹ جائے گی، بے روزگاری کو دور کرنے کے مصارف بڑھ جائین گے، بجٹ کا توازن...
قائم نہ رہے گا، دنیاے مالیات کا اعتبار جاتا رہے گا، اور اس اعتبار کے ساتھ پورا نظام در...
برہم ہوجائے گا،

مزدورون کو جو اجرت ملتی ہے، وہ اس قدر ناکافی ہوتی ہے، کہ اوس سے وہ خود اپنی پیدا کی
ہوئی چیزین بھی خرید نہین سکتے، سرمایہ داری کے اس نظام اجرت کو توڑنا ضروری ہے، ہمین مال اس لئے
نہ پیدا کرنا چاہئے کہ اُسے فروخت کرکے اوس کی آمدنی سرمایہ دار اور مزدور مین تقسیم کردی جائے، بلکہ پیداوار
کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اوس کے ذریعہ سے تمام افراد قوم کی ضرورتین پوری ہوتی رہین، سرمایہ داری کے
خلاف ہماری بغاوت کے اسباب یہ ہین کہ اوس کے نتائج نے ہمین بیزار کرکے نہ صرف ایک تخریبی تنقید پر
مجبور کیا ہے، بلکہ ہم مین تعمیری کام کی بھی خواہش پیدا کردی ہے، اور ہم امید کرتے ہین، کہ ایک بین الاقوامی
اشتراکیت قائم کرلین گے،

"ع ز"

ابع ہے، پانی اس نل سے ہو کر ایک خوبصورت سنگی حوض مین گرتا تھا، اس طبقہ کے آثار سے صحیح طور پر معلوم ہوتا ہے
کہ تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل وہان خاندان ستاواہن (SATAVA HANS) حکمران تھا، اس مین شبہ
نہین کہ اس مقام پر ان لوگون کا ایک شہر آباد تھا، کیونکہ وہان ایسے متعدد سکّے اور مہرین ملی ہین جو راجگان
کے نشانات ہین، ان کے علاوہ چھوٹے بڑے ہر قسم کے خوبصورت مجسّمے اور دوسری چیزین سونے اور ہاتھی دانت
کی بنی ہوئی اُن جگہون مین پائی گئی ہین جنکی ظاہری شکل سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور وہان کسی ستاواہن
راجا کا محل رہا ہوگا، لیکن ان سب سے بالاتر وہ طبقہ ہے جو خاندان ہوئسلا (HOYSALA) کے نام سے
موسوم ہے، یہ مشہور خاندان گیارھوین اور تیرھوین صدی عیسوی کے درمیان میسور مین حکومت کرتا تھا،
وہان بھی بہت سے سکّے، مجسّمے اور دوسرے آثارِ قدیمہ دستیاب ہوئے ہین،

ترکی صحافت کی تاریخ

اب سے چند ماہ قبل قسطنطنیہ مین صحافت کی صد سالہ یادگار کے سلسلہ مین ایک نمائش منعقد کیگئی تھی
مینچسٹر گارجین کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ ترکی مین صحافت کی بنیاد اوّل اوّل دو غیر ملکی اشخاص نے رکھی جن مین
سے ایک فرانسیسی اور دوسرا انگریز تھا، لیکن اس تحریک کا اصل محرک اور سرپرست سلطان محمود ثانی تھا جس نے
اپنی فہرستِ اصلاحات مین صحافت کو شامل کرکے ایک فتوی اس مضمون کا شائع کرایا کہ اخبارات نہ صرف
ناجائز نہین اور ان سے ملک کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے، سب سے پہلے جس کو اخبار نکالنے کی اجازت ملی
وہ بلیک بے (BLACQUEBEY) نامی سمرنا کا ایک فرانسیسی تھا اور پہلا ترکی اخبار "تقویم وقائع" اسی
کے اخبار "مونیٹر اوٹومن" (MONITEUR OTTOMAN) کا ترکی اڈیشن تھا، یہ استنبول سے شائع ہوتا
تھا اور اس کا پہلا نمبر ۱۳ اکتوبر ۱۸۳۱ء کو نکلا تھا، اس کے بعد ہی چرچل (CHURCHILL) نے جو انگلستان
کے اخبار مورننگ ہرلڈ کا نامہ نگار تھا، اجازت حاصل کی، یہ اجازت جس طریقہ سے حاصل کی گئی وہ بھی
تاریخ صحافت مین ایک نہایت عجیب واقعہ ہے، ایک روز شکار مین اتفاقاً چرچل کے ہاتھ سے ایک ترکی بچہ

زخمی ہوگیا، اس جرم مین وہ قید کردیا گیا، اس وقت سلطنت ترکی مین غیر ملکی باشندون کو بعض مخصوص حقوق
حاصل تھے، چنانچہ اُن کے لیے علیحدہ عدالتین بھی قائم تھین جنمین اُنہی کے ہم قوم جج اور مجسٹریٹ ہوا کرتے تھے،
چونکہ چرچل کی گرفتاری اور قید بغیر ان عدالتون کے وسیلہ کے عمل مین آئی تھی اس لیے اُن تمام حکومتون نے
جنکو یہ حقوق حاصل تھے نہایت زور کیساتھ صدائے احتجاج بلند کی اور بالآخر سلطان نے چرچل کو رہا کرکے
یہ فیصلہ کیا کہ اس کے ساتھ تلافی مافات کردینی چاہئے، چرچل نے ایک اخبار نکالنے کی اجازت چاہی، اور
اسکو یہ اجازت عطا کی گئی، چنانچہ اس اجازت کی بنا پر دوسرا ترکی اخبار "جریدہ حوادث"
۱۸۵۵ء مین جاری ہوا، یہی زمانہ جنگ کریمیا کا تھا، "جریدہ حوادث" مین سرکاری اطلاعات وبیانات شائع
ہوتے تھے اور یہ پہلا اخبار تھا جس نے ترکون مین اخبار بینی کا ذوق پیدا کیا، لیکن ترکی صحافت ہنوز تمام تر
حکومت ہی کے زیر اثر تھی، اغیاپے جو پہلے ایک صوبہ کا گورنر بھی رہ چکا تھا، پہلا ترک تھا جس نے صحیح
معنون مین ایک ترکی اخبار جاری کیا، یہ اخبار جسکا نام "ترجمان" تھا اور جو ۱۸۶۰ء مین جاری ہوا پہلا ترکی
اخبار تھا جو حکومت یا غیر ملکی اشخاص کی مدد کے بغیر صرف ترکون کے روپیہ سے نکلا اور جس نے ترکی قوم کے
خیالات کی ترجمانی کو اپنا نصب العین قرار دیا، "ترجمان" کے اجرا سے ترکی صحافت کا دور جدید شروع ہوتا ہے
کیونکہ اُس کے بعد ہی سیاسی خیالات کی وہ رو جو یورپ مین تیزی کیساتھ پھیل رہی تھی ترکی مین بھی پہنچی
اور وہان کے اخبارات مین روز بروز سیاسی آزادی کا رنگ غالب نظر آنے لگا،

برٹش میوزیم مین چند جدید فارسی وعربی مخطوطات،

حال مین برٹش میوزیم نے عربی اور فارسی کے دس نادر قلمی نسخے حاصل کئے ہین جنمین سے ایک عربی اور
نو فارسی ہین، فارسی مخطوطات مین بہترین حضرت فریدالدین عطارؒ کے کلیات ہین جنکے صفحات زرین نقش
ونگار سے آراستہ ہین، دوسرے نسخے حسب ذیل ہین:-

(۱) غزلیاتِ امیر خسرو، مکتوبہ سلطان علی شہدی، مشہور خوشنویس، ۸۶۷ھ (۱۴۶۲ء)

(۲) منظوماتِ امیر خسرو، منقولہ ۹۰۳ھ (۱۴۹۷ء)

(۳) امیر خسرو کی دو نظمیں "ہشت بہشت" و "آئینۂ اسکندری" اُنیس رنگین تصویرون کے ساتھ، سترہوین صدی مین نقل کیگئین،

(۴) "ہفت اورنگ" جامی، مع رنگین تصاویر، منقولہ ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ء)

(۵) مثنوی "گل و نوروز" از جلال طبیب، ابتدائی سولہوین صدی مین لکھی گئی،

(۶) غزالی شہدی کی ایک عارفانہ فارسی نظم جو ۱۶۰۰ء مین نقل کیگئی،

(۷) دیوانِ غنی، اٹھارہوین صدی،

(۸) اٹھارہوین صدی کا ایک نسخہ جسمین علم ہیئت پر دو فارسی رسالے ہین،

(۹) کتاب زبور عربی زبان مین، اٹھارہوین یا ابتدائی اُنیسوین صدی کی لکھی ہوئی،

ان کے علاوہ ابو عبداللہ المصعب ابن عبداللہ ابن المصعب کی تالیف "انساب القریش" کا ایک نفیس نسخہ بھی میوزیم کو دستیاب ہوا ہے، اس مین قریش کے نسب اور اسلام سے قبل عربون کی تاریخ سے متعلق بہت مفید معلومات ہین، جہانتک معلوم ہے اس کتاب کا صرف ایک اور قلمی نسخہ موجود ہے، اور وہ بوڈلین لائبریری مین ہے، لیکن یہ نسخہ بوڈلین کے نسخہ سے کسی قدر مختلف اور غالبًا قدیم تر بھی ہے، یہ ۱۳۱۱ھ (۱۷۰۹ء) مین نقل کیا گیا ہے،

"ع ز"

ادبیات

جنونِ بہار،

از جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خان طاہر،

گہ مست فتد برگل و گہ بر سرِ خارے
دیوانہ شد از جلوۂ حُسنِ تو بہارے

دریادِ کسے مشغلہ ام جامہ دریدن
دست است بہ کارے و دلم در کفِ یارے

ہر شام چو مشاطہ بہ آرایشِ زُلفت
ہر صبح بود حسنِ ترا آئینہ دارے

او مضطرب از شوخی و من از تپشِ دل
آنسوے نہ تاب است و نہ این سوے قرارے

خواہی کہ بہ عرفان برسی ترکِ خودی کن
این نکتہ خوشش آمد ز لبِ بادہ گسارے

کیفے عجب از نرگسِ مخمورِ تو دارم
صد میکدہ قربان اگر این ست خمارے

در پیشِ جمالِ تو زنم نالہ و رقصم
از نغمۂ خود مست چو بُلبل بہ بہارے

طاہر دلِ روشن طلب از جلوۂ ایمان
کے روشنیِ شمع رسد زیرِ مزارے

نوائے شعلہ ریز

از مرزا احسان احمد صاحب بی لے ال ال بی علیگ، اعظم گڈھ

لئے ہوئے تجلّیان نظر ہو حسنِ یار کی
نہ کچھ خزان کا خوف اب نہ فکر کچھ بہار کی

ترے نثار او درد نے مجھے وہ دی ہین نعمتین — نثار جس پہ راحتین حریم شہر یار کی

بلند کر ذرا ابھی کچھ اور ذوقِ عاشقی — فضائے غم مین دیکھ پھر تجلیان بہار کی

ہر ایک ذرہ رو کش جمالِ برقِ طور ہو — اڑا کے دیکھ اے صبا چمک مرے غبار کی

درِ حرم پہ جھکر نصیب اہلِ ہوش کو — کہان وہ سجدہ ریزیان جبینِ بادہ خوار کی

اٹھائے ایک جام مے جو دیکھنا ہے رازِ دہر — کہ جستجو ہے سب عبث نگاہِ ہوشیار کی

دماغ و دل مین بھر گئے شرارہ ہائے برق پاش — نوائے شعلہ ریز نے اک عندلیب زار کی

دُنیاے آرزو،

از جناب درد شاہجہان پوری،

چشم کرم ہے سلسلہ جنبانِ آرزو — اب دیکھنا ہے وسعتِ دامانِ آرزو

ناکامی نگاہ بھی ہمت شکن نہین — کیا دلفریب ہے چمنستانِ آرزو

اے دل ہر اک نفس نفسِ جانگداز ہو — دیکھا مآلِ کاوشِ پیکانِ آرزو

بزمِ نیاز و ناز ہے پیشِ نگاہِ شوق — کتنا نظر فریب تھا عنوانِ آرزو

اللہ ری دلفریبیِ رعنائی خیال — ہر ذرہ کوئے عشق کا ہے جانِ آرزو

اب جوشِ اضطراب ہو وجہِ سکونِ دل — سرمایۂ قرار ہے پیکانِ آرزو

پنہان ہے ذرہ ذرہ مین دنیاے اضطراب — دیکھے تو کوئی خاکِ شہیدانِ آرزو

تڑپا رہا ہے اور یہ اندازِ بے رُخی — دل تو یون ہی تھا شعلہ بدامانِ آرزو

لے جائے گی کہان مجھے وارفتگیِ شوق — ہر ہر نفس ہے سلسلہ جنبانِ آرزو

دیکھا تو اک طلسم فریبِ خیال ہے — اب تک سمجھ رہے تھے جسے جانِ آرزو

ناکامی نصیب کا اے درد کیا گلہ — مین ہون ازل سے شعلہ بدامانِ آرزو

بابُ التقریظ والانتقاد

کلیاتِ عزیز

یعنی

مجموعۂ کلام جناب خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز مرحوم، ضخامت ۵۰۰ صفحے،

قیمت مجلد سے، غیر مجلد صہ، پتہ :- خواجہ وصی الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر، عزیز منزل، لکھنؤ،

جناب خواجہ عزیز الدین صاحب مرحوم ہندوستان کے اس آخری دور مین جبکہ فارسی شاعری کا چراغ بالکل گل ہو چکا تھا، فارسی زبان کے باکمال شاعر تھے، اور اس خصوصیت کی وجہ سے، بقول مولانا حبیب الرحمان خان شروانی "لکھنؤ کی سبزی منڈی مین خواجہ صاحب کی بارہ دری گویا خیابانِ شیراز تھی انسان وہان پہنچتا تو حافظ و سعدی کے کمال کی مہک پاتا"، لیکن خواجہ صاحب مرحوم کی زندگی تک اس خیابانِ شیراز کی مہک صرف اسی بارہ دری یا زیادہ سے زیادہ لکھنؤ کے قیصر باغ اور وکٹوریہ پارک تک محدود رہی ہندوستان کے اور حصے اس نسیمِ عطر بیز کے جھونکون سے محروم رہے، اگرچہ خواجہ صاحب مرحوم کے تلامذہ نے اس طبلۂ عطار کو کھولنا چاہا، اور ان کے سوانح و اشعار شائع کرنے چاہے، لیکن خواجہ صاحب مرحوم کی کسر نفسی سے یہ غنچۂ ناشگفتہ ناشگفتہ ہی رہا، چند پنکھڑیون نے بے شبہہ پر و بال نکالے یعنی اُن کے تلامذہ و معتقدین نے ان کے چند قصیدے اور چند مثنویان زبردستی طبع کرادین، تاہم خواجہ صاحب مرحوم کی زندگی مین اُن کے تمام کلام کا مکمل گلدستہ رونق بزمِ کمال نہ ہو سکا، اور قدردانون کی نگاہین بہارستانِ فارس کا یہ دلکش منظر نہ دیکھ سکین، لیکن اب خواجہ صاحب

مرحوم کے خلف الرشید جناب خواجہ وصی الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر نے ان کے تمام کلام کا مکمل مجموعہ ترتیب کد وکاوش کیساتھ چھپوا کر شائع کیا ہے، اور اس کاوش وجستجو سے غالباً خواجہ صاحب مرحوم کا اکثر کلام دست برد زمانہ سے محفوظ ہو کر، ایک کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے آگیا ہے، جس کی ضخامت پانچسو صفحات سے زیادہ ہے، اسی کے ساتھ موجودہ دور کے بعض ذوق شناسانِ شعر فارسی یعنی ڈاکٹر سر محمد اقبال کا ایک گرامی نامہ بھی ابتدا میں درج کیا گیا ہے، جس میں اختصار کیساتھ خواجہ صاحب مرحوم کے کلام پر معنی خیز تبصرہ کیا گیا ہے، اس کے بعد نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمان خان شروانی کا مقدمہ ہے، جسمیں خواجہ صاحب مرحوم کے سوانح وحالات نہایت دلچسپ ذاتی مشاہدات کے حوالے سے لکھے گئے ہیں، اور خواجہ صاحب مرحوم کے کلام سے مختلف اصنافِ سخن کے انتخابات درج کئے گئے ہیں، ان معنوی دلفریبیوں کے ساتھ کتاب ظاہری حیثیت سے بھی نظر فریب ہے، چنانچہ شروع میں خواجہ صاحب مرحوم اور ان کی مسکونہ بارہ دری وغیرہ کے چند فوٹو شامل ہیں، آخر میں خود خواجہ وصی الدین صاحب کا فوٹو اس مقولہ کی یاد دلاتا ہے کہ "اول با آخر نسبتے دارد"

ان مراتب سے گذرنے کے بعد اصل کلیات کی ترتیب شروع ہوتی ہے، جس کی ابتدا غزلوں سے کی گئی ہے اس کے بعد قصائد، قطعات، مخمس اور ہفت بند سب ایک سلسلے میں درج کئے گئے ہیں، پھر مثنویاں شروع ہوتی ہیں، اور انھی کے سلسلے میں ان کی تشریحات بھی درج ہیں، جنکے صفحے الگ دیئے گئے ہیں، پھر تاریخی قطعات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اس کے بعد رباعیوں کی باری آتی ہے، پھر تقریبات وغیرہ کے مختلف رقعات درج کئے گئے ہیں، اس کے بعد خواجہ صاحب مرحوم کے ابتدائے مشق کی غزلیں سامنے آتی ہیں، پھر متفرق نظموں کی باری آتی ہے، جسمیں مخمس، نعتیہ غزلیں، قطعاتِ تاریخ، نعتیہ قصیدے، مسدس، مرثیے، رقعے سب کچھ شامل ہیں، پھر ابتدائی کلام کا بقیہ حصہ شامل کیا گیا ہے، اس کے بعد مثنوی گلگشت کشمیر کا نمبر آتا ہے اور اسی سلسلے میں اسکی تشریحات بھی داخل ہیں، ان سب کے بعد نثر کا حصہ ہے، جو زیادہ تر مکتوبات پر مشتمل ہے، آخر میں وہ تاریخی قطعات درج ہیں جو خواجہ صاحب مرحوم کی وفات پر مختلف شعراء نے لکھے ہیں،

لیکن افسوس ہے کہ یہ ترتیب قابل اطمینان نہیں ہے، چنانچہ مولنا حبیب الرحمان خان شروانی اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں،

"اہل نظر ترتیب کلیات دیکھ کر مسرور نہ ہونگے مگر یہ ثبوت ہے خواجہ وصی الدین کی مشکلات کا اور اُس دشواری کا جو حصولِ کلام وترتیب میں پیش آئی"

معنوی حیثیت سے اس مجموعہ کی ترتیب پر ایک اہم اعتراض جو کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم سے ترتیبِ کلیات کا عام اور متداول طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے قصائد درج کئے جاتے تھے، اس کے بعد مثنویوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا، پھر غزلوں کا نمبر آتا تھا، اور آخر میں قطعات، رباعیات، مسدس، مخمس، اور مراثی وغیرہ شامل کر دیئے جاتے تھے، لیکن اس مجموعہ میں قصائد سے پہلے غزلیں درج ہیں، اور قصیدوں کے بعد مثنویوں کا سلسلہ بھی قائم نہیں رکھا گیا، بلکہ مثنوی ید بیضا اور قیصر نامہ کے بعد تاریخی قطعات، رباعیات اور رقعات درج کئے گئے، اس کے بعد خواجہ صاحب مرحوم کے ابتدائی کلام کو جو تقریباً کل کا کل غزلوں پر مشتمل تھا، بلا وجہ غزلیات کے سلسلے سے الگ کر کے درج کیا گیا، اگر سب سے پہلے ابتدائی دور کی غزلیں درج کیجاتیں اس کے بعد کہنہ مشقی کے زمانہ کی غزلوں کا سلسلہ شروع ہوتا تو نظم وترتیب کے ساتھ ساتھ دونوں زمانوں کی غزلوں کا موازنہ بھی آسانی سے کیا جاسکتا،

بہرحال یہ نقش اول ہے اس لیے یقین ہے کہ طبع ثانی میں ان بے ترتیبیوں کے دور کرنے کی کوشش کیجائے گی اور نقش ثانی نقش اول سے بہتر ہوگا، کہ

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

لیکن موتی بہرحال موتی ہے، نظم وترتیب سے اگرچہ اسکی خوشنمائی ودلربائی میں اضافہ ہوجاتا ہے لیکن اس کی قدر وقیمت قعر سمندر میں بھی کم نہیں ہوتی، پھول ہاروں میں گندھ کر اگرچہ بہت زیادہ نظر فریب ہوجاتے ہیں، لیکن اُن کی خوشبو صحن چمن میں بھی علیٰ حالہ قائم رہتی ہے، اس بنا پر گو خواجہ صاحب

کے کلام کی ترتیب مین وہ خوش نمائی اور رعنائی نہین پائی جاتی، جو اس پیکر حسن و جمال کے شایان شان ہو
تاہم اسکا حسن و جمال اپنی اصلی حالت مین قائم ہے، اور ایک دیدہ ور کا کام صرف یہ ہے کہ وہ ذوق صحیح کی عینک لگا
اور اپنی آنکھون کو اس جلوہ گاہِ حسن کے نظارے سے روشن کرے، مختلف دیدہ ورون نے خواجہ صاحب
مرحوم کے کلام کو اسی عینک سے دیکھا ہے، اور اب ہم بھی اس کو اسی ذریعہ سے دیکھنا چاہتے ہین،

غزل خواجہ صاحب مرحوم کے کلام پر ایک اجمالی تبصرہ خود کلیات کے شروع مین شامل ہے، یعنی ڈاکٹر
سر محمد اقبال کا جو گرامی نامہ عرض حال کے بعد درج کیا گیا ہے وہ درحقیقت خواجہ صاحب مرحوم کے کلام
پر ایک پر مغز تنقید ہے، جو ان مختصر الفاظ مین کیگئی ہے،

"خواجہ صاحب ادبیات فارسی کے اُس دورسے تعلق رکھتے ہین جس کی ابتدا شہنشاہ اکبر سے ہوئی،
لیکن اس دور کے شعرار مثلاً عرفی وغیرہ کے کلام مین جو پیچیدگی اور اشکال پسندی پائی جاتی ہے
اور جس کا خاتمہ شاعری کے بجائے معما و چیستان کی صورت مین بیدل وغیرہ پر ہوا، خواجہ صاحب مرحوم کے
کلام مین اس کا مطلق وجود نہین پایا جاتا، بلکہ وہ نہایت صاف، روان اور شستہ و سادہ کہتے ہین، انکا
صائب کا تمثیلی رنگ بھی موجود ہے، مثلاً.

چاک کن جامہ ہستی کہ شود او پیدا ۔۔۔ تا گریبان ندرد گل نکند بو پیدا

دہد حق عشق احمد بندگان چیدۂ خود را ۔۔۔ بخاصان شاہ مے بخشدے نو شیدۂ خود را

تشبیہات کی لطافت جو اس دور کی امتیازی خصوصیت ہے، خواجہ صاحب مرحوم کے کلام مین بھی
نہایت نمایان طور پر نظر آتی ہے مثلاً

غمزہ را چشم تو بر خونم اشارت فرمود ۔۔۔ کہ ز ابرو میان بر زدہ دامان برخاست

ستمگری بگذار و بدلبری بگذر ۔۔۔ دل است مال غنیمت نہ مال اوقاف است

خیال او کہ ز چشم سنے رود گاہے ۔۔۔ چو لیلی بسیہ خیمۂ نظر بند است

نہین مرغ چمن صید جگر خستۂ اوست ۔۔۔ بوئے گل نیز گرفتار نے ز قفس رستۂ اوست

نقش تمثال دلست اینہمہ پیدا و نہان ۔۔۔ دو جہان در تقوم ابر و پیوستۂ اوست

نمازِ شام برآید اگر بہ بام آن ماہ ۔۔۔ زمین کوے او از سجدہ پر ستارہ کنم

فلسفہ و تصوف کی چاشنی بھی جیسا کہ اس دور کے شعرار کا انداز ہے، جا بجا نہایت لطیف شاعرانہ
پیرائے مین پائی جاتی ہے، ڈاکٹر اقبال لکھتے ہین کہ "غزل مین ان کی نظر بیشتر روحانی حقائق پر رہتی ہے
اور ان حقائق کو وہ نہایت آسانی اور لطافت کیساتھ ادا کر جاتے ہین، مثلاً

دو غنچہ ہست دو عالم ز گلشن صنعش ۔۔۔ یکے شگفتہ یکے ناشگفتہ است ہنوز

دل پر معرفت افسردہ و پژمردہ مباد ۔۔۔ کاین گل سر سبد آرایش گلدستۂ اوست

خضر داین قید حیات ابدی پاداش است ۔۔۔ بندۂ بے ادب از بندِ اجل جستۂ اوست

ے ونے ہر دو بمقصود رسانند کہ نیست ۔۔۔ رہبرے بہتر ازین رہگذرے بہتر ازین

لن ترانی کہ جواب ارنی یافت کلیم ۔۔۔ خواست نظارۂ او دیدہ ورے بہتر ازین

بے خودی راہبرِ راہِ خدا است عزیز ۔۔۔ برو از خود کہ نباشد سفرے بہتر ازین

خود خواجہ صاحب مرحوم کی غزلون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے اس دور کے مشاہیر شعرا
کے کلام کو سامنے رکھ کر غزل گوئی شروع کی ہے، اور اکثر ان زمینون مین غزلین لکھی ہین، جنمین اس دور
کے مشہور شعرار نے طبع آزمائیان کی ہین، مثلاً یہ غزلین

را خود کشتہ و افگندہ در حیرت جہانے را ۔۔۔ بہ تیغ از ہر کسے پرسد کہ کشت این خستہ جانے را

عمر من در یاس و حرمان از غم دنیا گذشت ۔۔۔ وائے بر جانم چو امروزم اگر فردا گذشت

ولے کہ رستہ ز قیدِ خرد خردمند است ۔۔۔ اسیر اوست کہ بے قید و بند در بند است

بار یکہ بر نداشت فلک آدم آن گرفت ۔۔۔ کاہے سبک مبین کہ چہ کوہ گران گرفت

آنانکہ سعی در طلبش چار سو کنند
اے کاش در حریم دلش جستجو کنند

بیگانہ ہم بہ پرسش احوال ما رسید
در داکہ کار ما بہ محبت کجا رسید

نظیری، کلیم اور ظہوری وغیرہ کی زمینون مین لکھی گئی ہین، خود خواجہ صاحب فرماتے ہین،

کے از ظہوری وز نظیری رسد عزیز
فیضے کہ از کلام الٰہی بما رسید

لیکن ان صیادانِ معانی کے علاوہ ایک مرغ بلند آشیان اور بھی ہے، جس کی ہمصفیری خواجہ صاحب مرحوم نے کی ہے، گو عجز و انکسار سے ان کو خود اعتراف ہے،

حدیث حافظِ شیراز و گفتہ ہائے عزیز
ہمان حکایت زردوز و بوریا باف است

یہ غزل خواجہ حافظ کی غزل پر لکھی گئی ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم کے کلیات مین اور بھی متعدد غزلین خواجہ حافظ کی زمینون مین ملتی ہین، مثلاً

در غم و غصہ بہ تیغ تو براتم دادند
زہر می خواستم و آب حیاتم دادند

غمین مباش کہ اندوہ و غم نخواہد ماند
جہان ہر چہ جز او ہیچ ہم نخواہد ماند

چو دلبران ہمہ خواہند دل چہ چارہ کنم
بغیر ازین کہ دلِ خویش پارہ پارہ کنم

چشم بد دور بسویم گذرے بہتر ازین
گذرے بہتر ازین و نظرے بہتر ازین

شعرائے ایران کے علاوہ میرے خیال مین خواجہ صاحب مرحوم کی شاعری پر لکھنؤ کی اردو شاعری کا بھی کسی قدر اثر پڑا ہے، آتش و ناسخ کے زمانے سے لکھنؤ مین شاعری کے دو مختلف اسکول قائم ہو گئے تھے ناسخ اور ناسخ کے تلامذہ مضمون آفرینی پر جان دیتے تھے، اور آتش اور آتش کے تلامذہ لطفِ زبان کے دلدادہ تھے، اور یہ رنگ ناسخ کی طرز سے زیادہ مقبول تھا، رعایت لفظی اگرچہ دونون اسکولون مین مشترک تھی، لیکن آتش اور آتش کے تلامذہ نے اس مین بہت زیادہ لطافت پیدا کی تھی، اور ناسخ کی لفظی مناسبتون مین جو بھدا پن پایا جاتا ہے اسکو بہت کچھ دور کر دیا تھا، خواجہ صاحب مرحوم کے کلام مین جو سلاست و

روانی پائی جاتی ہے، اور جابجا "کالملح فی الطعام" انھون نے نہایت لطیف انداز مین جن لفظی مناسبتون سے کام لیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھون نے لکھنؤ کی اس مے آتشین کے چند پیالے بھی نوش کئے ہین، مثلاً ان اشعار مین دیکھو کہ رعایت لفظی کس قدر لطف دے رہی ہے،

بقدِ یار چہ نسبت درختِ طوبیٰ را
مخور فریب دروغے کہ راست مانند است

گو بکن فکرِ سلاسل ہم پئے دیوانگان
آنکہ بہرِ ساعدِ سیمین یارم یارہ کرد

نیست خالی از خیالِ زلف رعنایان سرے
این بلا از عالمِ بالا کجا نازل نشد

ہر سحر بوئے خوشش پیکِ صبا می آرد
بو کہ می آید ازین پس خبرے بہتر ازین

از قضا گر نظرِ لطف تو افتاد بما
چشم داریم کہ افتد قدرے بہتر ازین

نمی شود دہن آن ماہِ مہربان ہر چند
بچرخ عربدہ پر خاش با ستارہ کنم

بہر حال شستگی زبان اور جوش بیان (جو خواجہ حافظ کا امتیازی وصف ہے) کے لیے کسی انتخاب کی ضرورت نہین، خواجہ صاحب مرحوم کے کلام مین عموماً یہ خصوصیت پائی جاتی ہے، بالخصوص جہان وہ خواجہ حافظ کے مخصوص رنگ مین غزل کہتے ہین وہان یہ خصوصیت اور بھی نمایان ہو جاتی ہے، مثلاً

ز قولِ واعظِ شہر اجتناب باید کرد
عمل بگفتۂ چنگ و رباب باید کرد

پے صبوحیِ محشر پس از فنا با من
نہان بخاک خمے از شراب باید کرد

ز خرقہ ہاے مرقع کہ در خورِ خرق است
چہ تر چہ خشک ہمہ را غرقِ آب باید کرد

بیا کہ ما و تو ساغر زنیم بر لبِ آب
جہان و ہر چہ در و غرقِ آب باید کرد

حسابِ معصیتِ بیشمار خویش عزیز
حوالہ بر کرم بے حساب باید کرد

چند دل تنگ بہ غمخانۂ ہستی باشی
خیز و زین خانہ برون آئی کہ صحرائے ہست

شورِ حسن است کہ شد غلغلہ افگن در نجد
ورنہ مجنون چہ خبر داشت کہ لیلائے ہست

آب حیوان بخضر جام بہ جمشید گذار — پیش من آر اگر جرعۂ صہبائے ہست

بطرب کوش یک امروز بعشرت مے نوش — ہم بفردا بگذار از غم فردائے ہست

لیکن خواجہ صاحب مرحوم صرف غزل ہی نہین کہتے، بلکہ اور اصنافِ سخن مین بھی استادی کا درجہ رکھتے ہین، انھون نے غزل کے علاوہ مثنوی اور قصائد بھی لکھے ہین، اور اُن کی شاعری کی شہرت زیادہ تر انھی مثنویون اور قصیدون سے ہوئی ہے، چنانچہ ہمارے مخدوم مولنا حبیب الرحمان خان شروانی اپنے مقدمہ مین لکھتے ہین:

"لکھنؤ کے دورِ آخر کو جن اہل کمال پر ناز تھا اور بجا ناز تھا اس مین خواجہ عزیز الدین مرحوم ممتاز ہین، امتیاز کی وجہ یہ ہے کہ ادب فارسی مین کمال حاصل کیا اور اُن میدانون مین علمِ استادی بلند کیا جو متاخرین کی دسترس سے باہر تھے یعنی مثنوی و قصیدہ، اصنافِ سخن مین سب سے زیادہ مختصر رباعی ہے جو سب سے مشکل ہے دیکھو صدیون کے دوران مین صرف چار پانچ ہی استاد رباعی گذرے ہین، حضرت ابو الخیر ابو سعید، شیخ الاسلام انصاری، عمر خیام، سحابی نجفی، دل چاہے تو سرمد کو بھی یاد کرلو، اس نے بھی ایک لطف پیدا کیا ہے،

رباعی کے بعد مثنوی ہے اسمین اساتذہ کی تعداد بیس سے زیادہ نہ ہوگی، مثنوی کے بعد قصیدہ ہے اس کے استاد سو کے اندر اندر رہین گے، سب سے زیادہ آسان غزل ہے، استاد غزل بیسون مشاہیر غزل سیکڑون ہین کہنا یہ تھا کہ خواجہ عزیز صاحب امتیاز یون ہین کہ انھون نے مثنوی اور قصیدہ مین جوہر کمال دکھائے، مذاقِ شعر کا پایہ بلند کیا"

اس عبارت سے جو ایک مسلم ناقدِ فن شعر کی تراوشِ قلم ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب مرحوم کی طبع بلند نے غزل جیسی آسان چیز کو در خورِ ہمت نہین سمجھا، اس لیے اس مین بہت زیادہ نہین پھیلے، البتہ مثنوی و قصیدہ پہلے ہی سے مشکل تھے، اور اب متاخرین کے دور مین پہلے سے بھی زیادہ مشکل ہوگئے تھے، اس لیے خواجہ صاحب مرحوم نے ان دونون کی تجدید کی، اور اسی تجدید فن نے انکو فارسی شاعری کا مسلم استاد بنا دیا، اس لیے

ان دونون اصنافِ شاعری پر تبصرہ کرنا غزل سے بھی زیادہ ضروری اور اہم ہے،

قصیدہ

ابتدائے لیکر انتہا تک قصیدہ شعراء کے اظہارِ کمال کا سب سے بڑا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا، اس بنا پر صنائع بدائع، تشبیہ و استعارہ، تلمیح و اشارہ، اصطلاحات علمیہ اور رموز حکمیہ زبردستی قصائد مین ٹھونسے جاتے تھے، اور اُن سے قدرتِ کلام کا اظہار کیا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ فارسی شاعری مین غزل جس قدر آسان چیز تھی قصیدہ اسیقدر مشکل تھا، صرف قصیدہ کہنا ہی مشکل نہ تھا بلکہ قصیدہ کا سمجھنا اس سے بھی زیادہ مشکل تھا کیونکہ ان پابندیون کیوجہ سے لازمی طور پر اشکال پیدا ہوجاتا تھا، اس کیساتھ چونکہ اہل ادب نے تصریح کردی تھی کہ قصیدہ مین شاندار او متین و جزیل الفاظ کا استعمال کرنا چاہئے، اس لیے شعراء نے غلطی سے متین و جزیل الفاظ کے بجائے مغلق الفاظ استعمال کرنے شروع کئے، اور قصائد کو لغات کا ایک چھوٹا سا مجموعہ بنا دیا، مضمون آفرینی اور جدت طرازی بھی قصیدہ کے لیے ضروری چیز قرار پائی اور ان خصوصیات نے قصیدہ کو اور بھی مشکل بنا دیا، قدما و متوسطین کے دور تک قصیدہ گوئی کی یہ تمام خصوصیات قائم رہین، گو متوسطین نے صنائع و بدائع کا زور کم کر دیا تاہم اور خصوصیات بعینہٖ قائم رہین، متاخرین نے قصائد مین غزل کی رنگینی پیدا کی، اس لیے قصیدون کی متانت مین بہت کچھ فرق آگیا، اس کے بعد چند مجددینِ فن نے جنمین قاآنی سب سے زیادہ نامور ہے، قصیدہ گوئی مین قدماء کے دور کو دوبارہ زندہ کیا، اور اس دور سے قصیدہ گوئی کا ایک خاص انداز قائم ہوگیا، جسمین الفاظ کی متانت، جزالت، لطیف و نادر تشبیہات و استعارات اور مقفی و مسجع الفاظ کا ایک ترنم ریز اور ولولہ خیز آ[illegible]تا ہے،

خواجہ صاحب مرحوم نے متعدد قصائد مین یہی مجددانہ روش اختیار کی ہے، اور ان خصوصیات مین وہ کسی بڑے سے کم نظر نہین آتے، بلکہ ایک حریف کی حیثیت سے انکا مقابلہ کرتے ہین اور فرماتے ہین:-

[illegible] حبیب شد، رقیب عندلیب شد — بہر کجا خطیب شد ز سامعان شکیب شد

حبیب اللہ قاآنی

چون [illegible] حریف دلفریب شد — بنغمہ از ہزار ہا،

لیکن باوجود سجع کی پابندی کے سلاست و روانی مین کوئی فرق نہین آنے دیتے بلکہ سجع کی وجہ
سے اشعار کی روانی اور خوشنوائی مین اور بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے مثلاً

سروشے دوش، باصد جوش آمد ناگہم از در ــ سراپا نوش، صاحب ہوش و دانش کوش و دین پرور
چسان آمد چہ وقت آمد چرا آمد، کجا آمد ــ نسیم آسا، سحرگہ بہر تسکین پیش این احقر
چہ احقر، احقر مضطر چہ مضطر، مضطر بیدل ــ چہ بیدل، بیدل جانان چہ جانان جان جان در
چو موسیٰ با قبس یا خود قبس آمد بر موسیٰ ــ چو عیسیٰ از فلک یا خود ملک آمد بہ پیغمبر
چو باد عاجل از مرتع، چو آب سائل از منبع ــ چو ماہ کامل از مطلع چو مہر انور از خاور
نہ باد این ہرزہ پو ہر سو مر آنرا پویہ در مینو ــ نہ آب این مایہ ور از جو مر آنرا بہرہ از کوثر
نہ مہ کش تیرہ از غم رو، مرآنرا چہرہ در گیسو ــ نہ خورکش زہرہ در پہلو مرآنرا زہرہ زہرہ از
نزدش نزل را منزل و صورش وصل را موصل ــ وجودش جود را موجد صدورش ...

لبا قصیدہ ہے، اور اول سے آخر تک مسجع ہونے کے ساتھ روان و برجستہ ہے، الفاظ مین متانت
وجزالت ہے، اغلاق و غرابت نہین، اس لیے ہر شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، حالانکہ قاآنی و
بدرچاچ بلکہ عرفی کے قصائد بھی عوام کی سمجھ سے بالاتر ہین،

خواجہ صاحب مرحوم نے ایک مخمس خصوصیت کیساتھ قاآنی کی زمین مین لکھا ہے، ا
آخر تک اسی کے انداز مین لکھا ہے، سجع کی پابندی کے ساتھ، قاآنی کا سب سے بڑا امتیازی وص
واستعارات کی لطافت وجدت ہے، لیکن وہ متاخرین کی طرح خیالی تشبیہین نہین پیدا کرتا بلکہ قدما کی
کے طریقہ پر محسوس و مادی تشبیہین پیدا کرتا ہے، لیکن باوجود محسوس ہونے کے ان مین لطف و ندرت
پائی جاتی ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم کی تشبیہات کا بھی یہی انداز ہے، مثلاً،

بہار گشتہ گل فشان، جہان کہنہ شد جوان ــ درختہا یگان یگان، بریدہ ظلم استاد بادبا ...

بجنبش آمدہ چنان کہ مہد خواب کودکان ــ چہ فرودین چہ مہرگان، ہوا چو دایہ مہربان
کشادہ غنچہا دہان ــ برنگ شیرخوارہا

کشادہ گل رسالہا، کُندہ بلبل حوالہا ــ کشیدہ مرغ نالہا، بدرس آن مقالہا
ہوا دہد امالہا، بشاخ شاخ لالہا ــ چکد ز لالہ ژالہا بخاک چون غسالہا
نہ لالہا پیالہا ــ بدست رعشہ دارہا

سحرگہان بیادِ حق، ز طائران فرق فرق ــ غزل سرا بدان نسق کہ کودکان ہم سبق
شقیق لعلگون و شق، چنانکہ در افق شفق ــ شگفتہ گل ورق ورق بسی ابر در عرق
بہر ورق طبق طبق ــ گہر کند نثارہا

صرف اسی قصیدہ کی خصوصیت نہین بلکہ خواجہ صاحب کی تشبیہات کا عام انداز یہی ہے جو تمام قصائد مین
قائم رہتا ہے، مثلاً

زان گوہر کہ در گوش بتان از گیسوان بینی ــ کہ گوئی بیضۂ گنجشک دارد زاغ زیر پر
فلک پیش از ظہور او سمندے بود بے راکب ــ جہان پیش از ورود او عروسے بود بے شوہر

آسودہ ہست در کنف او نقش جہان ــ مانند کودکے کہ در آغوش مادر است
نازم بشہر و شہر پناہش کہ در نظر ــ مانند نو عروس کہ گوئی بمعجر است

آن چون پشے کہ بہ بیند رخ شیر آزرو ــ وآن چون شیرے کہ خورد خون بزے را بمثل
خون شب بسکہ شود ناقص و فاسد بینی ــ صورت زنگئ مبروص ز نقصان و خلل
برف را پنجۂ خورشید فشردہ است گلو ــ خاک را نشتر ایام کشادہ است اکحل
بیضہ از ہم بشگافد کہ رسد تیغ بگداز ــ طوطی از بیضہ برآید کہ دمد سبزہ ز تل
چون گل امروز نگنجد بلباس از فرحت ــ تو بتو خرقہ بہ برداشتہ ہر کس چو بصل

گل زخلوتگہ ہر شاخ کشیدہ است سرے   بشا نے کہ برآمد کف موسیٰ زبغل
از حدی خوانیٔ مرغانِ سرِ کوہ مدام   آسمان در رہِ کشمیر کند رقص جمل

صنائع و بدائع کا خواجہ صاحب مرحوم کو خاص ذوق ہے، اگرچہ کسی قصیدے مین تجنیس کے علاوہ اور کسی صنعت کا التزام نہین کیا ہے، تاہم کوئی قصیدہ صنائع و بدائع سے خالی نہین، جابجا ان کا استعمال کیا ہے، اور نہایت لطافت کے ساتھ کیا ہے، مثلاً،

چو بر فروخت چہرہ گل، چراغِ زہد گشتہ گل   ز قیدِ تنگ رشتہ گل گسستہ جملہ بند وغل
بگوش ہادی بلبل ز دو قلقل است چار قل   زنند بلبلان دہل، کہ گرد نوبہار گل
بنوش خمچہ خمچہ مل   کنار چشمہ سارہا

بیا گل از چمن ببر چو من چمن چمن ببر   بنفشہ یاسمن ببر سمن دو من سہ من ببر
شقیق از دمن ببر عقیق از یمن ببر   رحیق از انجمن ببر رفیقِ موتمن ببر
صدیق ہمچو من ببر   حریف بادہ خوارہا

درین چمن قدم قدم، کشیدہ سرو بن علم   سپر غم و بنفشہ ہم کشادہ زلف خم بخم
بہ شامگہ بہ صبحدم، ہمی چکد ز ابر نم   مکن خیالِ کیف و کم، بنوش مے فزون ز کم
نگہ بگاہ دم بدم   نہ یک دو بار بارہا

ریشِ قاضی ز کف بادہ پرستان ریش است   فرقِ صوفی ہمہ از دست حریفان شدہ گل
بود یادش، شود ذکرش، زود حکمش، رسد نقشش   بہر محفل بہر منزل، بہر کشور بہ ہر بندر
محضر حسن ترا مہر بعنوان شدہ است   ختم خوبی بتو اے خاتمِ خوبان شدہ است
یمن از یمنِ لبت کانِ عقیق است ہنوز   طائف از مقدمِ تو رشک گلستان شدہ است
بوم گوئی کہ ہمہ بوم و برِ روم گرفت   بام شام از اثرِ شومیٔ ترکان شدہ است

سرورِ سرو یہ سہم بر سرِ کین است بہ بین   شاہ بلغار یہ غارت گرِ ایمان شدہ است

مضمون آفرینی قصیدے کا اصلی عنصر خیال کیجاتی ہے، یہانتک کہ بعض شعراء مثلاً خاقانی اور بدر چاچ نے اسمین اسقدر غلو کیا ہے کہ قصیدے کو معما اور چیستان بنا دیا ہے، لیکن اہل ادب نے قصائد کے حسن کا جو معیار قائم کیا ہے، اُسمین مضمون آفرینی داخل نہین ہے، بلکہ قصیدے کا اصلی زیور، محاکات ہے، تخئیل نہین خواجہ صاحب نے اہل ادب کا بتایا ہوا ہی راستہ اختیار کیا ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ اُن کے قصائد نہایت صاف، شستہ اور روان ہین، اور ان مین کہین اغلاق و ابہام نہین پایا جاتا، یہی وجہ ہے کہ اس کلیات مین مثنویون کی طرح قصائد کی تشریح کے لیے کوئی فرہنگ نہین لگائی گئی ہے،

مبالغہ بھی قصائد کا ایک خاص جزو خیال کیا جاتا ہے، لیکن یہ بھی درحقیقت قصیدہ کا کوئی رکن نہین ہے، البتہ شعراء نے قصائد مین زورِ طبع دکھلانے کے لئے اکثر مبالغے کئے ہین، اس لیے قصائد مین مبالغہ سے کام لینا ایک رسم مین داخل ہوگیا ہے، لیکن خواجہ صاحب اس رسم کے پابند نہین، البتہ بعض اشعار مین کسی قدر مبالغہ پیدا ہوگیا ہے، مثلاً

پنجہ ہا گشتہ حنائی دمِ دوشیدنِ شیر   لالہ و گل بود از بس خورشِ جدی حمل
آنکہ در کاخ جلالش بفلک مہر منیر   عنکبوتیست کہ مسکن بودش در عنطل

مثنوی خواجہ صاحب مرحوم کے شاعرانہ کمال کا ایک بڑا منصۂ ظہور مثنوی ہے، اور درحقیقت متاخرین کے دور مین جو چیزین شاعرانہ کمال کے اظہار کا ذریعہ خیال کیجاتی تھین یعنی صنائع و بدائع، ترصیع و تجنیس، تلمیح و اشارہ اور تشبیہ و استعارہ یہ تمام چیزین ان مثنویون مین موجود ہین، بالخصوص مثنوی ید بیضا تو ہر قسم کے صنائع و بدائع کا مجموعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ شرح و فرہنگ کے بغیر یہ مثنوی آسانی کے ساتھ سمجھ مین نہین آسکتی اور اسی ضرورت سے اس کے ساتھ ایک فرہنگ بھی لگادیگئی ہے، قیصر نامہ مین چونکہ اس قسم کا التزام مالایلزم نہین کیا گیا ہے، اس لیے وہ اس سے زیادہ صاف و روان ہے، مثنوی ہدیۃ الثقلین

اس سے بھی زیادہ سادہ، صاف اور روان ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم نے اپنے خاص غیر مصنوعی انداز کو اس مین خصوصیت کیساتھ قائم رکھا ہے، حمد باری تعالیٰ کے چند اشعار ملاحظہ ہون،

درجام تو آفتاب ازوے   درکامِ تو شہد ناب ازوے
کور و بینا و ماہ و خورشید   زو داشتہ جملہ چشمِ امید
چشم است و چراغ ہر کسے را   باغ است و بہار ہر خسے را
ہر ذرہ بمہر او سحر خیز   ہر صعوہ بیادِ او شب آویز
عالم کہ پر از بدائعِ اوست   پیکر کدۂ صنائعِ اوست
فرہاد تراشِ تیشۂ او   مجنون، آہوئے بیشۂ او
شکر رش، شکر فرشتگان است   زخمش، نمکِ برشتگان ست
وصفش نہ مجالِ گفتگو ہست   او ہست بدان صفت کہ او ہست
اندر قدمش قدم بلد نیست   ملکیست وسیع و ہیچ حد نیست
دارد حرمش بلند اساسے   کانجا نرسد رصد شناسے

اول سے آخر تک یہ مثنوی اسی دلآویز انداز مین لکھی گئی ہے، اور نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ مین آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی فرہنگ نہین لگائی گئی ہے، تاہم چونکہ وہ متاخرین کے ذوق کے مخالف تھی، اس لیے ید بیضا اور قیصر نامہ کی طرح اس نے کوئی خاص شہرت حاصل نہین کی، حالانکہ وہ اپنے طرز بیان کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتی ہے،

مثنوی گلگشت کشمیر مسمی بہ ارمغان بھی اسی سادہ طرز بیان مین لکھی گئی ہے، اور باوجودیکہ خواجہ صاحب مرحوم نے اپنے لکھنوی ذوق یعنی لفظی صناعیون کو جابجا قائم رکھا ہے، تاہم اس مین کہین آورد و تکلف نہین پیدا ہونے پایا ہے، مثالین ملاحظہ ہون،

درختون اور پھلون کی طراوت و حلاوت کا بیان کسقدر لطیف انداز مین کرتے ہین،

ز نار و نارون تا سرو و شمشاد   نو آئین، نوجوان، نوخیز، نوزاد
جنان شان مادر است و دایہ کوثر   ارم شان عمہ و طوبیٰ برادر
تکلم شان بہ تحریکِ اشارہ   خود ایشان کودک و خود گاہوارہ
بطفلی خوردہ از جوے عسل شیر   شکر بار آورد ہر گو شود پیر
خوشا بادام کز وے چشم بد دور   سیہ کردہ بروچشم طمع حور
بصیدِ دل بود بادام، با دام   کہ چیند در رہِ ما دام ما دام
بیا را وصاف سیبش اے سخنگو   ہمین میدان ہمین چوگان ہمین گو
رسد از سدرہ اش ہر دم درودے   مثل باشد کہ سیبے و سجودے
بانگشتِ اشارہ جانب سیب   نمایان میشود آثار آسیب
برونش زر، درونش سیم خام است   تونگر آن کش این دولت بکام است الخ

مناظر کے وصف مین اگرچہ شاعرانہ حیثیت سے محاکات زیادہ موزون ہے، اور خواجہ صاحب مرحوم اس موقع پر اکثر تخئیل سے کام لیتے ہین، تاہم ان کی تخئیل مین غیر معمولی لطافت وجدت پائی جاتی ہے، اس لیے وہ بھی لطف سے خالی نہین ہوتی، مثلاً،

خوشا آبے کہ مشہور آن بذل ہست   ز ذل تسنیم را نعم البدل ہست
بود زنجیر پا موجش صبا را   حبابش در گرہ بستہ ہوا را
فلک در جنب او برجِ حبابی   ملائک اندرو مرغانِ آبی
جنون خیز است چون آب ہوایش   و منداز ہم چو ماہی موجہایش
زبس گردیدہ محوِ جلوۂ خویش   ز ذل وارد بہار آئینہ در پیش

موج لبکہ گیرائے نظر ہا است تماشا کن کہ خوش دام تماشا ست

گریبان چاکیٔ موج از ہوایش کتانِ ماہتاب جلوہ ہا یش

بدریا ماہ اندر نقرہ کاری بگلشن زر فشان بادِ بہاری

کول از فیضِ دل کرد است روشن چراغے را کہ آبش ہست روغن

خواجہ صاحب مرحوم کے شاعرانہ کمال کے یہی تین میدان ہین، بقیہ مراثی اور قطعات وغیرہ وہ اولاً تو بہت کم ہین، اور جو کچھ ہین وہ کوئی خاص اہمیت نہین رکھتے،

اغلاط خواجہ صاحب مرحوم صرف فارسی زبان کے بہت بڑے شاعر ہی نہین تھے، بلکہ وہ فارسی لغت، فارسی مصطلحات و محاورات پر بھی نہایت وسیع نظر رکھتے تھے، اس لیے ان کے کلام پر اس حیثیت سے نکتہ چینی کرنا سخت مشکل ہے، تاہم جو باتین سرسری طور پر تنقیدی نگاہ مین کھٹکتی ہین، اُن کا اظہار بھی ضروری ہے، گو یہ یقینی نہین ہے کہ ایسا وسیع النظر شخص زبان و محاورہ کی کوئی غلطی کریگا، بلکہ اس کے خزانۂ حافظہ مین سندون کا کافی ذخیرہ ضرور موجود ہوگا،

(۱) لطف در جلوۂ لیلی منشان نیست کنون یاد ذوقے کہ شد از دیدنِ آہو پیدا

اس شعر مین لطف اُسی معنی مین مستعمل ہے جسمین وہ اردو زبان مین استعمال کیا جاتا ہے، اور یہ سند طلب ہے،

(۲) غمزہ راچشم تو بر خونم اشارت فرمود کہ زابرو میان برزدہ دامان برخاست

"بر خونم" کی ترکیب بالکل اردو زبان کی ترکیب ہے، ایرانی شاعر اس ترکیب کو شاید پسند نکریگا،

(۳) زبس چو آئینہ اش سینہ صاف شفاف است شد آشکار کہ با من درونِ او صاف است

"درونِ او صاف است" کے معنی یہ ہین کہ اُس کا دل مجھ سے صاف ہے، لیکن کیا یہ فارسی کا بھی محاورہ ہے؟

(۴) من از جمالِ تو محروم و عالمے پر نور چو پائے شمع کہ تاریک در دشمن اطراف است

دوسرا مصرع اردو کے اس محاورہ کا ترجمہ ہے کہ "چراغ تلے اندھیرا"، لیکن اولاً تو محاورات مین تبدیلی نہین ہو جاتی... ترجمہ مین کسی قدر تبدیلی ہوگئی ہے، دوسرے یہ کہ یہ فارسی زبان کا محاورہ نہین،

نثر خواجہ صاحب مرحوم فارسی زبان کی نظم و نثر دونون پر قدرت رکھتے تھے، اور دونون مین ان کی رنگینیان، اور صنعت... ازیان یکسان طور پر قائم رہتی تھین، افسوس ہے کہ انھون نے فارسی زبان مین نثر کی کوئی مستقل کتاب نہین لکھی، جو موجودہ دور کے فارسی نثارون کے لیے دلیلِ راہ کا کام دیتی، البتہ چند ورق مین کشمیر کی ایک مختصر سی تاریخ لکھی ہے، اسکے علاوہ انکی نثر زیادہ تر تقریظات و مکتوبات پر مشتمل ہے اور یہ تمام چیزین اس مجموعے کے آخر مین شامل کردیگئی ہین، تاریخِ کشمیر مین انکا طرز بیان بالکل سادہ و صاف ہے، مثلاً

"مورخانِ ہنود و نگارندگان کارخانۂ ہست و بود می نویسند کہ کشمیر موسوم بہ ستی سر بود ستی نام زنے بود و سر حوض کلان را می گویند گویا تمام عالم آب بود و دران دیوے آدم خور جل دیو نامی سکونت پذیر بود اطراف و جوانبش تباہ و ویران کرد، قضا را عابدے کشف نامی کہ در اعتقاد اہل ہنود نبیرہ برہما بود بر کوہ سیمبر گذر کرد این ولایت را برباد و خراب یافت، عابد را بعد تفحص دریافت شد کہ دیو مذکور موجب این تباہی است "

یہ واقعات کا عالم تھا جنکی واقعیت رنگینی کے پردے مین چھپ جاتی ہے اس لیے انھون نے سادہ طرز بیان سے کام لیا، لیکن جب وہ خیالی دنیا مین آتے ہین، تو ان کا سحر کار قلم شاخ گل بنجاتا ہے، جس سے صفحات کاغذ رنگین ہو کر تختہائے چمن بنجاتے ہین، چنانچہ کلیات صہبائی پر تقریظ لکھتے ہین، تو ہر لفظ اور ہر فقرہ استعارہ و کنایہ بنکر قلم سے نکلتا ہے، مثلاً

"شور شکر خندہائے گل نمک ریز است بلبلِ دل خستہ را چہ گناہ کہ نالد، و جوشِ ترنمہائے بلبل طرب انگیز است گلِ نو رستہ را چہ قصور کہ بنالد، آنچہ موسیٰ را بطور سینا یافتہ صوفی بسینہ و ساقی بمینا یافتہ ہر ذرہ آفتاب نوش است و ہنوز تشنہ کام، زہے وسعت مشرب، و ہر قطرہ دریا خروش است و ہنوز ناتمام، سقے ذوق طلب، خانہ خدایان خانہ از خار و خس پرداختہ اند، و ما ہنوز دل از ہوا

وہوس پرداختہ ایم ، از خود رفتگان خدا را شناختہ اند و ما ہنوز خود را نشناختہ ایم ،

ان کی نثر کے زیادہ تر نمونے خطوط کی شکل میں ہیں ، اور گو خطوط بھی [illegible]

ہیں ، تاہم انھوں نے ان میں بھی زیادہ تر رنگین بیانی سے کام لیا ہے ، بالخصوص [illegible] سے کام

لیتے ہیں ، مثلاً مولوی ریاض حسن خان کو لیچی کی رسید اس انداز میں [illegible]

"سہ ہزار دانہ لیچو از استیسون آوردہ شد ، پختہ کاری [illegible] را نازم کہ با این ہمہ گرما

یک دانہ ہم رائگان نگردید ، و تا اینجا رسیدہ ، ہمہ رسیدہ خامہ خام کار در سپاس نگاری این دو

شعر اکتفا کرد :"

ایک دوسرے صاحب کو آم کی رسید ان الفاظ میں دیتے ہیں :۔

"انبہ ہاے نورس ، از بنارس ، باین ناکس ، از مہربان بمن رسیدن حلوا ، و از آسمان

فرود آمدن من و سلوی است ، ناکامے را شیرین کام ، و مخمورِ ہجر را مست مدام کرد ، ہر چند از

[illegible] ان سلسلہ را استواری و آن رشتہ را تاب

این گوہر شماری ندیدہ :"

بہر حال فارسی زبان کی نثر و نظم دونوں میں خواجہ صاحب مرحوم کو کمال حاصل تھا ، اور اس دور

آخر میں اُن کی نظم و نثر دونوں ہمارے لیے فارسی زبان کی انشا پردازی کا بہترین نمونہ بن سکتی ہیں ، اس لیے

خواجہ وصی الدین صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ان نمونوں کو ہمارے پیش نظر کر دیا

اور اب ہمارا فرض ہے ، کہ اس مجموعہ کی قدر کریں ، اور اس کو اپنے لیے نمونہ بنائیں ،

"ع"

لغات جدیدہ

اکنار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری ، یعنی لغت ، قیمت [illegible]

مطبوعات جدیدہ

پیغمبر اعظم (دی گریٹ پرافٹ) بہ زبان انگریزی ، از جناب الیف ، کے ، خان درانی ، حجم ۱۶۶ صفحے ، تقطیع چھوٹی ، لکھائی چھپائی ، بچون کے مناسب جلی ٹائپ مین ، قیمت درج نہین ، پتہ :۔ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور ،

اس رسالے مین جناب درانی نے آنحضرت صلعم کے مختصر سوانح حیات اسکول کے طلبہ کے لیے سلیس انگریزی زبان مین لکھے ہین ، رسالہ چند ابواب مین منقسم ہے ، پہلے باب مین جغرافیہ عرب کا بیان ہے ، دوسرے باب مین باشندگان عرب ، اور قدیم عربی تہذیب و تمدن کا تذکرہ کیا گیا ہے ، تیسرے باب مین مذاہب عرب کا حال ہے ، اور پھر مختلف ابواب مین آنحضرت صلعم کی ولادت سے وفات تک کے حالات بیان کئے گئے ہین ، رسالہ مین اگرچہ بعض معمولی تاریخی مسامحات موجود ہین ، لیکن اسکی اہم خصوصیت اسکی جامعیت و ترتیب اور پھر زبان کی سلاست و روانی قابلِ تعریف ہے ، جس کو چھٹی ساتوین جماعت کے طلبہ بآسانی پڑھ سکتے ہین ، اسلامی مدارس کے طلبہ مین اس کو رائج کرنا چاہئے ،

پیغمبر اسلام ۔ از جناب قاضی عبد المجید صاحب قرشی ، حجم ۲۹ صفحے ، لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ ، پتہ :۔ دفتر ایمان پٹی لاہور ،

قاضی عبد المجید صاحب قرشی ، آنحضرت صلعم کے یوم ولادت کو "تقریب یوم النبی" کی حیثیت سے بطور یادگار سارے ہندوستان مین منانا چاہتے ہین ، اس سلسلہ مین انھون نے آنحضرت صلعم کی سیرت مبارکہ پر [illegible] کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے ، اور ہر سال مختلف اہل قلم سے سیرت پر تقریر لکھاتے ہین ، اور اس کو

ہندوستان کی آٹھ نو زبانون مین شائع کرنا چاہتے ہین، اسی سلسلہ مین ۱۹۲۹ء کی تقریر خود موصوف کے قلم سے لکھی گئی ہے، جس کے چند رسالے اردو، ملیالم، تامل اور گجراتی وغیرہ مختلف زبانون مین اسوقت ہمارے سامنے ہین، رسالہ سیرت کی مستند کتابون سے مرتب کیا گیا ہے، موصوف اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد مین شائع کرنا چاہتے ہین، اسلئے کچھ ٹکٹ بھیجکر مذکورۂ بالا پتہ سے یہ تقریرین حاصل کیجا سکتی ہین،

مشکوٰۃ الصلوٰت مؤلفہ مولوی محمد الیاس صاحب برنی، پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، ضخامت ۱۳۰ صفحے، چھوٹی تقطیع، کاغذ اوسط درجہ کا سبز رنگ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت عہ مؤلف سے بیت الاسلام حیدرآباد دکن کے پتہ سے ملسکتی ہے،

مولوی محمد الیاس صاحب برنی اپنی مشہور کتاب علم المعیشت اور سلسلۂ منتخبات نظم اردو سے فکر و ادب کے حلقون مین روشناس ہین، لیکن ادھر چند سال سے موصوف کے قلم سے مذہب و تصوف کے مذاق کی کتابین شائع ہورہی ہین، چنانچہ اسی سلسلہ مین یہ جدید رسالہ مشکوٰۃ الصلوٰت ہے، اس رسالہ مین آنحضرت صلعم پر درود و سلام کے ورد کے لیے حزب مرتب کئے گئے ہین، رسالہ سات حزبون مین منقسم ہے، پہلے تین حزبون مین قرآن مجید سے صلوٰت اخذ کئے گئے ہین، جو اپنے رنگ مین ایک جدید ترتیب کہی جاسکتی ہے، پھر احادیث سے درود اخذ کئے گئے ہین، اور اس کے بعد اوراد و وظائف کے ممتاز رسالون حزب البحر، اور دلائل الخیرات وغیرہ سے انتخاب کیا گیا ہے، امید ہے کہ ارباب ذوق مین یہ رسالہ مقبول ہوگا، رسالہ کا دیباچہ اردو اور عربی دونون زبانون مین ہے،

نبیون کے قصے، از جناب خواجہ محمد عبد الحیٔ صاحب فاروقی، ۸۰ صفحے، چھوٹی تقطیع، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت ۶ ؍ مرتبہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی،

جناب خواجہ محمد عبد الحیٔ صاحب فاروقی نے انبیاے کرام علیہم السّلام کے مختصر حالات صرف قرآن مجید سے اخذ کرکے چند صفحون مین چھوٹے بچون کے لیے لکھے ہین، کل ۱۶، ۱۷ انبیاے کرامؑ کے حالات ہین [illegible]

مطالعہ سے بچون کو مختلف اخلاق حسنہ کی تلقین ہوگی، زبان بھی صاف سلیس، اور بچون کے لائق ہے،

تاریخ ظفرہ مصنفہ گردھاری لعل اختر (۱۲۸۵ھ) مرتبہ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے، رکن سررشتہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ ناشر اڈیٹر صاحب مشرق گورکھپور، حجم ۲۰۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت درج نہین،

ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ انگریز مورخین کی بدولت جس مسخ شدہ شکل مین مدون ہوئی ہے، اور ان کی تقلید مین ہمارے دور حاضر کے ہندو مصنفین نے بھی جو رنگ آمیزیان کی ہین، ان کی تردید مین وہ تاریخی بیانات نہایت مستند ہوسکتے ہین، جو ہندو مصنفین کے قلم سے عہد اسلامی مین نکلے ہین، چنانچہ اس نوع کی کتابین اب روز بروز شائع ہوتی جاتی ہین، اور اسی قسم کی ایک تالیف "تاریخ ظفرہ" اس وقت ہمارے سامنے ہے، جس کو قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے، نے اپنے قلمی نسخہ سے مرتب کیا ہے، اس تاریخ کا "ظفرہ" تاریخی نام ہے، جس سے ۱۲۸۵ھ نکلتا ہے، اس کے مصنف منشی گردھاری لعل صاحب اختر ہین جو حیدرآباد کے باشندہ تھے، اور اسی مناسبت سے انھون نے حیدرآباد کی تاریخ اپنے عہد یعنی ۱۲۸۵ھ تک کی مرتب کی ہے، کتاب دو ابواب مین منقسم ہے، پہلے باب مین سلاطین قطب شاہیہ، بناے گلکنڈہ اور شہر حیدرآباد کا تذکرہ ہے، اور دوسرا باب ان شاہان چغتائیہ اور فرمانروایان آصفیہ کے حالات مین، اور یہی باب نسبتۂ وسیع ہے، کتاب مین فرمانروایان کے تذکرہ کے علاوہ عمارات و امکنہ کا خصوصیت سے تفصیلی تذکرہ ہے، اور نیز فرمانروایان ملک کے ضمن مین متعدد فرامین و دستاویزات کا متن نقل کیا گیا ہے، جس سے کتاب کی اہمیت زیادہ بڑھگئی ہے، منشی گردھاری لعل ایک ایسے دور کے مصنف ہین جب کہ ہندوستان مین ہندو مسلم قومیت کے منافرت کی تخم ریزی نہین ہوئی تھی، اس لیے دور حاضر کے ہندوستان کے تاریخی مباحث مین سے بعض امور خصوصیت سے روشنی مین آتے ہین، اور اس لیے کتاب ایک تفصیلی تبصرہ کی محتاج ہے، مرتب نے ابتدا مین ایک دیباچہ لگایا ہے، جسمین کتاب کی خصوصیات کا سرسری تذکرہ کرکے حیدرآباد کی تاریخ مابعد ۱۲۸۵ھ تا عہد حاضر کا اجمالی ذکر کیا ہے، خصوصاً

موجودہ فرمانروائے حیدرآباد کے عہد پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، ضرورت تھی کہ آخر میں اشخاص و اماکن کی فہرست بھی مرتب کرکے منسلک کردیجاتی، کہ فائدہ اٹھانے میں سہولت ہوتی، ہم مرتب کو اس مفید تالیف کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہیں،

حالاتِ حزین مع انتخاب کلام، از نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی حجم ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، پتہ:- دفتر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ،

نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس بنارس میں حزین کی آخری خوابگاہ بنارس کی مناسبت سے حزین کے حالات پر ایک پُر مغز مقالہ پڑھا تھا، اور نیز حزین کے کلام کا انتخاب بھی پیش فرمایا تھا، اب وہی مقالہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے،

حقیقت کی سیر، یعنی منظوم ترجمہ رباعیات حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر از مولوی مقصود احمد صاحب مجددی رامپوری ناشر منشی سید قربان علیصاحب بسمل دفتر اردوے معلی شاہجہانی پریس دہلی، حجم ۱۱۲ صفحے، تقطیع چھوٹی لکھائی چھپائی اچھی قیمت ۸؍

حضرت ابوسعید ابوالخیر کی رباعیات کا اردو ترجمہ اگرچہ چند سال گذرے لاہور سے شائع ہوچکا ہے لیکن منشی سید قربان علی صاحب بسمل نے فارسی شعراء کی رباعیات کے منظوم ترجمہ کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے، سرمد و عمر خیام کی رباعیات وہ پہلے شائع کرچکے تھے اب اسی سلسلہ میں انھوں نے حضرت ابوسعید ابوالخیر کی رباعیات کا منظوم ترجمہ "حقیقت کی سیر" کے نام سے شائع کیا ہے، یہ ترجمہ مولوی مقصود احمد صاحب مجددی نے کیا ہے، ترجمہ صاف اور روان ہے، اور ۱۸۵ رباعیات پر مشتمل ہے،

دیوانِ یقین، مرتبہ جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بی اے اسسٹنٹ ہوم سکریٹری حیدرآباد دکن، حجم مع مقدمہ ۱۶۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت:- مجلد عہ، غیر مجلد ۸؍

پتہ:- جناب محمد صدیق حسن صاحب منیجر انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے جو اب تک اردو ادب میں محض مزاحیہ مضامین لکھ کر دلچسپی کا سامان بہم پہنچاتے تھے اب یقین کا دیوان مرتب کرکے اردو علم ادب کی ایک پائدار خدمت انجام دی ہے، دیوان یقین میں اوّلاً ۹۸ صفحوں کا ایک بسیط مقدمہ ہے، اور پھر ۶۲ صفحوں میں دیوان کی غزلیں ہیں، مقدمہ کی طوالت کا خاص سبب یقین کے وہ حالاتِ زندگی ہیں، جو اردو تذکروں میں خاص دلچسپی اور اسی کے ساتھ حسرت انگیز تاسف کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں، مختلف تذکرہ نگاروں نے یقین کے ان حالات پر روشنی ڈالی ہے، جناب مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے اپنے مقدمہ میں تمام تذکرہ نگاروں کے بیانات کا جائزہ لیا ہے، اور سب پر تنقید کی ہے، اور اس سلسلہ میں مختلف تذکرہ نگاروں میں میر تقی میر اور گاساں دتاسی وغیرہ کے قائم کردہ الزامات اور جانبدارانہ رایوں کی تردید کی ہے، علاوہ ازیں یقین کی شاعری پر بحث کرتے ہوئے دیوان یقین پر مکمل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں ردیف و قوافی کی تعداد تک مہیا کرنے کی کوشش کیگئی ہے، اگرچہ اس موقع پر ہمیں مرتب کے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے کہ محض یقین کے اس قول سے کہ "ہم نے سخن کی طرزیں اس سے اڑائیاں ہیں" ہم بھی یقین کرلیں کہ حاتم، میر، سودا اور تاباں وغیرہ نے واقعی یقین کے طرز پر غزلیں لکھی ہیں، ہر دور میں خاص طرز رائج ہوتے ہیں، اگر ایک ہی طرز میں مختلف شعراء کی غزلیں ہیں، تو کیا ضرور ہے کہ کسی ایک ہی شاعر کا تمام شعراء نے تتبع کیا ہے، مقدمہ کے بعد دیوان کی غزلیں ہیں، غزلوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تمام غزلیں پانچ پانچ شعر کی ہیں، اور پھر کل غزلوں کی تعداد ۱۷۰ ہے، جو یقین کے تخلص کے حروف کے مساوی الاعداد ہیں، امید ہے کہ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کی یہ سعی اردو علم ادب کے قدردانوں کے حلقہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی،

دیوان جانصاحب، مرتبہ جناب نظامی بدایونی، حجم مجموعی ۳۱۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت مجلد عہ پتہ:- نظامی پریس بدایون،

اردو کے ریختی گو شعراء میں یار علی "جان صاحب" دور متاخرین کے باکمال شاعر تھے، اون کا

دیوان نظامی پریس بدایون نے اوّلاً ۱۹۲۲ء مین شائع کیا تھا، جو اپنے نوع کی مقبولیت کے لحاظ سے ہاتھون ہاتھ بکا، اب اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا گیا ہے، نظامی پریس کی اس ادبی خدمت سے اردو زبان کی ایک خاص صنف کے بہت سے الفاظ و محاورات محفوظ ہوگئے ہین، نیز اسی کیساتھ واجد علیشاہ کے عہد کے لکھنؤ کی زنانی تہذیب و معاشرت کا مرقع تیار ہوگیا ہے، جناب نظامی بدایونی نے ریختی کے دیوان کی مناسبت سے اس عہد کے ریختی نویس جناب آغا حیدر حسن صاحب دہلوی سے اس پر مقدمہ لکھوایا ہے، مقدمہ اپنے طرز مین عجیب ہے، لیکن مقدمہ کے مضامین و مباحث مین از سر نو ترتیب و تدوین کی ضرورت تھی، کہ مقدمہ کے تمام مباحث مربوط و مسلسل ہو جاتے، افسوس ہے کہ طبع ثانی مین اس کی طرف توجہ نہین کیگئی، اس جدید اڈیشن مین جان صاحب کے جدید دستیاب شدہ کلام کا وافر حصہ بھی شامل کیا گیا ہے، دیوان کی ابتدا مین اوّلاً مرتب کی طرف سے چند صفحون کا تعارف ہے، پھر ۸۲ صفحون مین آغا حیدر حسن صاحب دہلوی کا مقدمہ ہے، اس کے بعد ۲۰۰ صفحے دیوان کے ہین اور آخر مین ۲۶ صفحون مین دیوان کا فرہنگ منسلک ہے،

ماہ دخت، از جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب حجم ۱۸۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی، قیمت ہے، پتہ منیجر صاحب رسالہ دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ،

جناب حکیم محمد سراج الحق صاحب، مولٰنا عبد الحلیم صاحب شرر کی وفات کے بعد ان کی لائق ستایش جانشینی کر رہے ہین، چنانچہ ایک طرف ان کے رسالہ دلگداز کی عنانِ ادارت ہاتھ مین لیے ہوئے ہین، اور پھر کوشش کرتے ہین کہ ان کے خدمات کی یاد تازہ رکھین، اور جسطرح شرر مرحوم ہر سال دلگداز مین ایک ناول پیش کرتے تھے، حکیم صاحب نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا ہے، اور یہ ناول "ماہ دخت" جو اسوقت پیش نظر ہے، ۱۹۳۱ء کے دلگداز مین پیش کیا گیا تھا اور اب کتابی شکل مین شائع ہوا ہے، اس مین حضرت عمر فاروقؓ کے عہد کے عرب و ایران کی لڑائیون کو ناول کے طرز مین بیان کیا گیا ہے، اور اسی مین ایک عرب قائد عاصم بن عمرو تمیمی اور یزدگرد کی بہن ماہ دخت کے تعشق کی داستان شامل کیگئی ہے

"ر"

جلد بست و نہم ۲۹ | ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۲ء | عدد ۵

مضامین